OBJECTION TO THE MIRACLE AT CANA AT GALILEE.

By

(VEN'BLE ARCHDEACON BARKAT ULLAH)

قانائے گلیل کا معجزہ

مصنفہ

قسیس معظم آرچ ڈیکن برکت اللہ ایم اے
فیلو آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن)

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی

انارکلی لاہور

طبع دوم　　سنہ ۱۹۵۱ء　　تعداد ۱۰۰۰

The Punjab Religious Book Society

Anarkali, LAHORE.

قانائے گلیل کا معجزہ

مُصنّفہ

قسیسِ معظّم آرچ ڈِیکن برکت اللہ۔ ایم۔ اے

مُصنّف

تاریخ کلیسیائے ہند۔ الوہیتِ الہٰی کا مفہوم مسیحیّت اور سائنس۔
نُورالہدیٰ۔ صحتِ کتبِ مقدّسہ۔ کلمۃ اللہ کی تعلیم محمد عربی۔
دینِ فطرت اسلام یا مسیحیّت؟ دشتِ کربلا یا کوہِ کلوری؟
توضیح البیان فی اُصول القرآن۔ مسیحیّت کی عالمگیری۔
کیا تمام مذاہب یکساں ہیں؟ ایلی ایلی۔ لما شبقتنی۔
اِسرائیل کا نبی یا جہان کا مُنجی؟ وغیرہ وغیرہ

فہرست مضامین

پہلی ایڈیشن کا دیباچہ

انجیل چہارم میں وارد ہے کہ ابن اللہ نے اپنی رسالت کی ابتداء قانائے گلیل کے معجزہ سے کی۔ اس گاؤں میں آپ نے بیاہ کے موقعہ پر ایک غریب خاندان کی حاجت کو یوں رفع کیا کہ پانی کو مسیحائی اعجاز سے انگور کے رس میں تبدیل کر دیا۔

مخالفینِ مسیحیت اس معجزہ پر عموماً اعتراض کیا کرتے ہیں اور ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ اس رسالہ میں اُن اعتراضات کی تفصیلی طور پر تنقید کی جائے۔ پس ہم نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے اعتراضات کو لے کر اُن کا جواب دیا ہے کیونکہ مولوی صاحب کو شمالی ہند کے مسلمانوں میں بوجوہ چند در چند شہرت حاصل ہے۔ اُنہوں نے میری تین کتابوں کے جواب میں چند دقیانوسی اعتراضات پڑھ سُنائے ہیں۔ اسی سلسلہ میں قانائے گلیل کے معجزہ پر بھی نہایت دریدہ وہنی سے اعتراضات کئے گئے ہیں ہم نے ان اعتراضات کو مُطلقاً قابلِ التفات نہ پایا کیونکہ بالفاظِ قادیانی ریویو آف ریلجنس ہمارا "اندازِ بیان مختلف تھا۔ لیکن مولوی صاحب کا انداز وہی قدیم مناظرانہ ہے جس کے بیان میں کوئی نُدرت نہیں"۔ پھر خیال آیا کہ اہلِ اسلام میں قحط الرجال اس قدر ہے کہ ہماری کتابیں قریباً تیس سال سے شائع ہو کر بزبانِ حال ھل من مبارز پکار رہی ہیں۔ لیکن قادیانی اور دیگر مسلمان مناظرین کا یہ حال ہے کہ گوگوئی مُردہ اند۔ خود مولوی صاحب بھی یہی رونا روتے ہیں (اسلام و مسیحیت

ص۳) ع رُو بہ میداں کس نمی آرد سوالاں راچہ شد؟

پس ہم نے اس مجبوری کے ماتحت کہ "با ہمیں مرداں ببایدساخت" اِس رسالہ میں آپ کے اُن اعتراضات کا جواب لکھا ہے۔ جن کا تعلق فنائے گلیل کے معجزہ کے ساتھ ہے۔

معاً ہمارے دل میں یہ خیال بھی آیا کہ مولوی صاحب کی "عمر کی یہ آخری منزل ہے اور بموجب الفاظ قرآنی لاتقنطوا من رحمت اللہ (اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو) ہمیں فضل الٰہی سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ ممکن ہے کہ مولوی صاحب اپنے اعتراضات کا جواب پڑھ کر "داعی اجل کو لبیک کہنے" سے پہلے توبہ کر لیں اور ہم بھی روزِ حساب سُرخرُو ہو جائیں۔ پس ہم نے ان کی دریدہ دہنی سے قطع نظر کر کے اپنے کلیجے پر سِل رکھ کر ان کے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ لیکن ہم اس کے ساتھ ہی آپ کو توبہ کی دعوت بھی دیتے ہیں۔ آپ نے اسلام کے اُولوالعزم رفیع المرتبت پیغمبر حضرت رُوح اللہ کی ایسی توہین و تنقیص کی ہے کہ شرافت ماتم کناں اور انسانیت مرثیہ خواں ہے۔ آپ تمام عمر اس قسم کے دل آزار مناظروں کے عادی رہے ہیں اور پیرانہ سالی میں اپنی خاص طرز سے باز نہیں آسکتے۔ بقول حضرت غالب

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا میرے آگے

مولوی صاحب کا رُخ اور انداز ہم کو سورۂ بقر کی مندرجہ ذیل آیات یاد دلاتا ہے کاش کہ آپ ان کا "تدبر اور غور" سے مطالعہ کریں اور اپنے گُناہوں سے توبہ کر کے رجُوع لائیں۔

ان الذین کفروا سواءٌ علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم

لا یومنون ـ ختم اللّٰہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم وعلیٰ ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم ۔ ومن الناس من یقول اٰمنّا باللّٰہ و بالیوم الاخر وما ھم بمومنین ۔ یخٰدعون اللّٰہ والذین اٰمنو وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون فی قلوبھم مرضٌ فزادھم اللّٰہ مرضا ولھم عذابٌ الیم بما کانوا یکذبون ۰

یعنی (مولوی ثناء اللہ صاحب جیسے) لوگ جو کفر میں پڑے ہیں ۔ ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا یکساں ہے وہ ایمان نہیں لانے کے ۔ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بھاری عذاب ہے ۔ اور (مولوی ثناء اللہ کی طرح) بعض لوگ ہیں جو زبان سے تو اقرار کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لائے ۔ حالانکہ وہ اپنے دلوں میں یہ ایمان نہیں رکھتے ۔ اس قسم کے لوگ اللہ کو اور ایمان داروں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں ۔ لیکن درحقیقت وہ صرف اپنے آپ کو ہی دھوکا دیتے ہیں اور عقل سے عاری ہیں ۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے ۔ پس اللہ نے ان کی بیماری کو اور بھی بڑھا دیا ہے ۔ آئندہ جہان میں ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے کیونکہ وہ جھوٹ بکتے ہیں ۔"

اسی روحانی تاریکی اور بیماری کی طرف حضرت کلمۃ اللہ نے اشارہ کیا جب آپ نے حضرت یسعیاہ نبی کے الفاظ کو اپنی زبان حقیقت ترجمان سے دہرایا اور فرمایا "ان لوگوں کے حق میں یسعیاہ کی یہ پیشین گوئی پوری ہوتی ہے کہ تم کانوں سے سنو گے پر ہرگز نہ سمجھو گے اور آنکھوں سے دیکھو گے پر ہرگز معلوم نہ کرو گے کیونکہ اس امت کے دل پر چربی چھا گئی ہے اور وہ کانوں سے اونچا سنتے ہیں اور انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں تا ایسا نہ ہو

کہ وہ آنکھوں سے معلوم کریں اور کانوں سے سُنیں اور دل سے سمجھیں اور رجوع لائیں اور میں ان کو شفا بخشوں" (متی ۱۳/۱۴)

کاش کہ مولوی ثناء اللہ صاحب ان الٰہی ارشادات کو" کانوں سے سُنیں اور دل سے سمجھیں اور رجوع لائیں" اور منجئ کونین سے شفا حاصل کریں۔ آمین۔ ثم آمین

برکت اللہ
انار کلی۔ بٹالہ۔ پنجاب

یکم دسمبر ۱۹۴۵ء

دُوسرے ایڈیشن کا دیباچہ

اس رسالہ کی پہلی ایڈیشن کے شائع ہونے کے ڈیڑھ سال بعد ہمارے مُلک کی تقسیم ہو گئی اور مولوی ثناء اللہ صاحب اپنے وطن امرتسر کو خیرباد کہہ کر مغربی پاکستان چلے گئے۔ سُنا ہے کہ آپ وفات پا گئے ہیں۔ خدا مغفرت کرے۔

پس ہم نے اِس ایڈیشن سے وہ تمام الفاظ اور فقرات خارج کر دیئے ہیں جن کا تعلق خاص آپ کی ذات سے تھا۔ لیکن ہم نے کوشش کی ہے کہ ان کے خارج ہونے سے رسالہ کے دلائل پر اثر نہ پڑے۔

خُدا کرے کہ مُتلاشیانِ حق اِس رسالہ کو پڑھ کر گمراہی سے بچیں اور صراطِ مستقیم اختیار کر کے نجات حاصل کریں۔

برکت اللہ
انار کلی۔ بٹالہ۔ شمالی ہند

یکم اپریل ۱۹۵۱ء

باب اوّل

قانائے گلیل کا مُعجزہ اور مخالفین کے اعتراضات

مقدس یُوحنا رسول کی انجیل میں لکھا ہے:۔

"پھر تیسرے دن قانائے گلیل میں ایک شادی ہوئی اور یسُوع کی ماں وہاں تھی اور یسُوع اور اُس کے شاگردوں کی بھی اس شادی میں دعوت تھی۔ اور جب مے ختم ہو چکی تو یسُوع کی ماں نے اُس سے کہا کہ اُن کے پاس مے نہیں رہی۔ یسُوع نے اُس سے کہا اَے عورت مجھے تجھ سے کیا کام؟ ابھی میرا وقت نہیں آیا۔ اُس کی ماں نے خادموں سے کہا جو کچھ یہ تم سے کہے کرو۔"

"وہاں یہودیوں کی طہارت کے دستور کے موافق پتّھر کے چھ مٹکے رکھے تھے اور اُن میں دو دو، تین تین من کی گنجائش تھی۔ یسُوع نے اُن سے کہا۔ مٹکوں میں پانی بھر دو۔ پس اُنھوں نے اُن کو لبالب بھر دیا۔ پھر اُس نے اُن سے کہا۔ کہ نکال کر میر مجلس کے پاس لے جاؤ۔ پس وہ لے گئے۔"

جب میر مجلس نے وہ پانی چکھا جو مے بن گیا تھا اور نہ جانتا تھا کہ یہ کہاں سے آئی ہے (مگر خادم جنھوں نے پانی نکالا تھا جانتے تھے) تو میر مجلس نے دُولھا

کو بُلا کر اُس سے کہا۔ ہر شخص پہلے اچھی مے پیش کرتا ہے اور ناقص اُسوقت جب پی کر چھک گئے مگر تُو نے اچھی مے اب تک رکھ چھوڑی ہے۔
یہ پہلا معجزہ یسُوع نے قانائے گلیل میں دکھا کر اپنا جلال ظاہر کیا اور اُس کے شاگرد اُس پر ایمان لائے" (باب ۲۔ آیات ۱-۱۱)
مولوی ثناء اللہ صاحب اس معجزہ پر بالفاظ ذیل اعتراض کرتے ہیں۔
(نقل کفر کفر نباشد) :-
"بقول یُوحنا مسیح نے اپنی والدہ مکرّمہ کو ناک بھوں چڑھا کر مخاطب کیا تھا وہ قصّہ سُننے کے قابل ہے۔ اصل الفاظ یہ ہیں :-

تیسرے دن قانائے جلیل میں کسی کا بیاہ ہُوا اور یسُوع کی ماں وہاں تھی اور یسُوع اور اُس کے شاگردوں کو بھی اس بیاہ میں دعوت تھی۔ جب مے (شراب) گھٹ گئی یسُوع کی ماں نے اُس سے کہا کہ ان کے پاس مے نہیں رہی۔ یسُوع نے اُس سے کہا۔ اَے عورت مجھے تجھ سے کیا کام میرا وقت ہنوز نہیں آیا۔

ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ الفاظ "اَے عورت مجھے تجھ سے کیا کام" ادب کے ہیں یا سوء ادبی کے۔ پادری صاحب[1] کی طرف سے یہ عُذر ہو سکتا ہے کہ وہ مجلس شراب خوری کی تھی۔ اس لئے اس کے اثر سے اگر یہ فقرہ مُنہ سے نکل گیا ہو تو قابلِ درگذر ہے۔
شیخ سعدی نے بھی اسی لئے کہا ہے ؎

محتسب گر مے خورد معذور دارد مست را

(کتاب اسلام اور مسیحیت صفحہ ۱۴۰)

[1] خاکسار کی طرف اشارہ ہے (برکت اللہ)

مندرجہ بالا عبارت میں مولوی صاحب موصوف نے چار اعتراض کئے ہیں جن کے جواب ہم انشاء اللہ اس رسالہ میں مفصل دینگے۔ وہ اعتراضات ان کے اپنے الفاظ میں حسب ذیل ہیں:۔

اعتراض اوّل:۔ "مسیح نے اپنی والدہ مکرمہ کو ناک بھوں چڑھا کر مخاطب کیا تھا"۔

اعتراض دوم۔ الفاظ "اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام؟" "سوء ادبی" کے الفاظ ہیں۔

اعتراض سوم۔ مسیح نے اپنی اعجازی طاقت سے جو شے بنائی وہ "شراب" تھی۔

اعتراض چہارم:۔ "مجلس شراب خوری کی تھی۔ اس لئے اس کے اثر سے یہ فقرہ مسیح کے منہ سے نکل گیا۔"

ناظرین مولوی صاحب کے الفاظ پر غور فرمائیں اور ان کی ہوشیاری کی داد دیں۔ آپ نے کس مناظرانہ چالاکی سے یہ اعتراضات کئے ہیں۔ بالخصوص جس رنگ میں چوتھا اعتراض کیا گیا ہے وہ فارسی مثل "منکرِ مے بودن وہم رنگِ مستاں زیستن" کا مصداق ہے۔ مندرجہ بالا چاروں کے چاروں اعتراضات ایسے ناپاک حملے اور شرمناک کلمے ہیں جو کسی مومن مسلمان کے قلم سے ایک ایسے شخص کی شان میں جس کو وہ خود معصوم نبی، برگزیدہ رسول اللہ، کلمۃ اللہ اور روح اللہ مانتا ہو نکلنے واجب نہیں۔ اس قسم کے اعتراضات ظاہر کرتے ہیں کہ مسلمان معترضین پر بھی آنجہانی مرزائے قادیانی کا سایہ پڑ گیا ہے۔ لیکن

کس نیاید بزیر سایۂ بوم   ور ہما از جہاں شود معدوم

حق تو یہ ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت کلمۃ اللہ کے خلاف جو سب وشتم کا وطیرہ اختیار کر رکھا تھا اس سے تو مرزائی تک تلملا اُٹھے تھے۔ چنانچہ قادیان سے صدائے احتجاج بلند ہوئی کہ:۔

"۲۲ر دسمبر ۱۹۴۱ء کے اہلحدیث میں مولوی ثناء اللہ نے یہ الفاظ شائع کئے تھے، مسیح سے دو گناہ سرزد ہوئے۔ ایک شراب کی مجلس میں حاضر ہونا اور دوسرا اپنی ماں کی تعظیم کرنے کی بجائے اُس کو توہین آمیز لفظوں سے مخاطب کرنا" معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد مولوی ثناء اللہ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی توہین کا ایک سلسلہ شروع کر دیا ہے اور ایسے انداز میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا ذکر کیا ہے جو نہایت ہتک آمیز ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ اُن کو اس بات کا کچھ بھی احساس نہیں ہوا کہ وہ ایک ناروا فعل کے مرتکب ہوئے ہیں" (الفضل ۲۴ر جون ۱۹۴۲ء)

"یہ قدرت کی طرف سے اُس الزام کا جواب ہے جو مولوی صاحب مرزا صاحب پر لگایا کرتے تھے۔ کہ اُنہوں نے حضرت مسیح کی توہین کی ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے خود مولوی صاحب کو بھی اِسی الزام سے ملزم ٹھیرایا ہے"۔ (الفضل ۲۲ر جولائی۔ نیز دیکھو ۱۶ر جولائی و ۱۰ر ستمبر ۱۹۴۲ء وغیرہ)

قادیانیوں کے ان الفاظ کا مولوی صاحب نے تادمِ مرگ کوئی جواب نہیں دیا۔

مولوی ثناء اللہ صاحب (خدا مغفرت کرے) کہنے کو تو ہمیشہ در مناظر تھے اور آپ نے اپنی عمر گرانمایہ مناظرہ میں ہی صرف کر دی۔ لیکن پھر بھی آپ مسیحیوں کی کتبِ مقدسہ (جن پر وہ خود برائے نام ایمان بھی رکھتے تھے) کی زبان تک سے ناآشنا تھے۔ چنانچہ آپ توراۃ۔ زبور اور

صحائفِ انبیاء کی اصلی زبان عبرانی سے محض نابلد۔ اور انجیل جلیل کی زبان یعنی یونانی کے حروفِ تہجی تک سے بیگانہ تھے۔ اگر وہ عاقبت اندیشی کو کام میں لا کر مناظرہ کا پیشہ اختیار کرنے سے پہلے انجیل جلیل اور اس کی زبان سے سطحی واقفیت ہی حاصل کرنے کی زحمت گوارا کر لیتے تو اس قسم کے ظنی اعتراضات نہ کرتے۔ قرآن میں مولوی صاحب جیسے لوگوں کے لئے ہی یہ وارد ہوا ہے۔ ان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی من الحق شیاءً۔ یعنی آپ محض ایک ظن کی پیروی کرتے ہیں اور ظن کبھی حق بات میں کام نہیں آتا (سورہ نجم ۲۸ آیت)

مولوی صاحب کے اعتراضات کی بنا کتابِ مقدس کا وہ اُردو ترجمہ ہے جو انگریزوں نے کیا ہے اور برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی نے شائع کیا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ قدم قدم پر اعتراض کرنے میں لغزش کھاتے ہیں۔ اگر کوئی گجراتی یا مرہٹی غیر مسلم قرآن کی عربی عبارت کے حروفِ تہجی تک سے ناآشنا ہو اور کسی گجراتی یا مرہٹی ترجمۂ قرآن کی بناء پر (جو کسی شمالی ہند کے مسلمان نے کیا ہو) قرآن پر ایسے اعتراض کرے جن کا پول عربی زبان کے مبتدی پر بھی ظاہر ہو لیکن اس پر بھی یہ غیر مسلم ڈون کی لیکر اپنے آپ کو میدانِ مناظرہ میں یکتائے روزگار سمجھے تو کیا اس کی جگ ہنسائی نہ ہوگی ؟ خود مولوی صاحب ایسے شخص کو قابل خطاب بھی نہ سمجھتے۔ لیکن بعینہ یہ حال مولوی صاحب کا ہے۔ آپ صحفِ سماوی کی دونوں زبانوں عبرانی اور یونانی کے حروفِ تہجی تک سے نابلد تھے اور یہ خیال نہیں کرتے کہ آپ کی ناواقفیت زبان سے کیسے کرب انگیز الفاظ نکلوا رہی ہے۔ اور آپ اللہ اور اُس کی کتابوں اور اُس کے رسولوں اور روزِ حشر پر ایمان رکھنے کے باوجود

حضرت کلمۃ اللہ مسیح عیسیٰ ابن مریم وجیہاً فی الدنیا والاخرۃ
ومن المقربین کی ذات پاک پر بے باکانہ ناپاک حملے کرتے رہتے ہے۔
اس رسالہ کے ناظرین پر ظاہر ہو جائیگا کہ معترض کے بے معنے
اعتراضات اُس کی لاعلمی کی خود پردہ دری کرتے ہیں۔ سچ ہے ؎

چوں خُدا خواہد پردۂ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

باب دوم

پہلا اعتراض

کیا خُداوند مسیح نے بی بی مریم کو ناک بھوں چڑھا کر مخاطب کیا تھا؟

پہلا اعتراض دراصل اعتراض نہیں بلکہ بہتان عظیم ہے مولوی صاحب کہتے ہیں کہ "بقول یُوحنّا مسیح نے اپنی والدہ مکرمہ کو ناک بھوں چڑھا کر مخاطب کیا تھا" (ص۱۴) ناظرین انجیل یوحنّا کے دوسرے باب کی پہلی گیارہ آیات کو اس رسالہ کے بابِ اوّل میں پڑھ کر دیکھیں۔ کیا اس تمام عبارت میں کوئی فقرہ یا لفظ ایسا ہے جس سے مولوی صاحب یہ اخذ کر سکیں کہ آنخداوند نے مقدسہ مریم کو "ناک بھوں چڑھا کر مخاطب کیا تھا"؟ اس مقام میں کونسا لفظ یا فقرہ ہے جو صراحتاً یا کنایتہً آپ کے اس عظیم بہتان کی تائید کرتا ہے؟ آپ نے خُدا کے مقدس ترین رسُول پر

ایسا عظیم بہتان لگایا جس کے سہارے میں آپ نہ کوئی قرآنی آیت اور نہ انجیلِ جلیل کا کوئی لفظ پیش کر سکتے ہیں۔ ھذا اِفک مبین۔ آپ نے افترا پر دازی میں مرزا قادیانی غفر اللہ ذنوبہ کی کورانہ تقلید کی ہے۔ آپ نے کعبہ کی بجائے قادیان کو اپنا قبلہ بنا لیا۔ اور محمد عربی کی بجائے احمدِ قادیانی کے ہاتھوں بِک گئے۔ اور قرآن کو بھول گئے۔ جس میں لکھا ہے کہ جو لوگ پاک دامنوں اور پارساؤں پر عیب لگاتے ہیں۔ لعنوا فی الدنیا والاٰخرۃ ولھم عذاب عظیم۔ اُن پر دُنیا اور آخرت دونوں میں لعنت ہے اور اُن کے لئے سخت عذاب تیار ہے +

بابِ سوم

دُوسرا اعتراض

کیا خُداوند مسیح نے ماں کی بے ادبی کی تھی؟

مولوی ثناء اللہ صاحب کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جن الفاظ میں آنخداوند نے اپنی والدہ مکرّمہ کو مخاطب کیا تھا وہ "سوء ادبی" کے الفاظ ہیں اور وہ الفاظ حسب ذیل ہیں۔" اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام ؟ میرا وقت ہنوز نہیں آیا۔"

مولوی صاحب کا یہ اعتراض سراسر یُونانی زبان سے عدم واقفیت پر مبنی ہے۔ اگر آپ کو انجیل جلیل کی اصل زبان سے کچھ شُدبُد ہوتی تو آپ ہرگز یہ اعتراض نہ کرتے۔

مولوی صاحب کو انجیل کی یونانی زبان سے واقفیت بھی کیسے حاصل ہو۔ جبکہ آپ کو یہ خبط ہے کہ "انجیل اصل زبان میں ملتی ہی نہیں" (رسالہ مسیحیت و اسلام صفحہ ۱۷۴)۔ مولوی صاحب سینکڑوں دفعہ انارکلی۔ لاہور گئے ہوں گے۔ آپ نے بائبل سوسائٹی کی دکان میں جا کر اصل یونانی نسخہ کی فرمائش کی ہوتی۔ آپ یونانی کی ایک چھوڑ بیسیوں جلدیں خرید لیتے اور کچھ نہیں تو گھر بیٹھے ایک کارڈ ہی لکھ کر اصل یونانی زبان کی انجیل کو حاصل کر لیا ہوتا۔ ہم مشورہ دیتے ہیں کہ ناظرین بائبل سوسائٹی لاہور سے مقدس یوحنا کی انجیل کا یونانی نسخہ بدد ترجمہ تحت اللفظی (اردو اور فارسی) مترجمہ مرحوم پادری ٹسڈل صاحب منگوا کر دیکھیں۔ نسخہ کا ہدیہ صرف ۸ھ رہے۔ اگر مولوی صاحب نے اتنی سی قلیل رقم خرچ کی ہوتی تو وہ اس قسم کی لغزشوں سے بچ جاتے۔ اللہ کی شان۔ آپ کی عدم واقفیت کا تو یہ حال ہے۔ لیکن اپنے منہ میاں مٹھو اپنی تعریف میں آسمان و زمین کے قلابے ملاتے ہیں! (اسلام و مسیحیت صفحہ ۲۷۔ صفحہ ۱۵ وغیرہ)

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند

در جہل مرکب ابدالدہر بماند

چونکہ مولوی صاحب یونانی زبان سے محض کورے ہیں اور آپ کا سارا دار و مدار انجیل کے اردو ترجمہ پر ہے۔ لہذا آپ نے یہ اعتراض پیش کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آیۂ زیر بحث کا اردو ترجمہ غلط ہے اور اس کی وجہ بائبل سوسائٹی کا وہ اصول ہے جس کو مدنظر رکھ کر یہ سوسائٹی دنیا کی زبانوں میں ترجمے کرواتی ہے۔ وہ مترجمین کو ہدایت کرتی ہے کہ ترجمہ کرتے وقت وہ اصل زبان کے انگریزی ترجمہ بائبل کے الفاظ کا خاص طور پر لحاظ رکھیں اور یہ کوشش کریں کہ جو ترجمہ وہ کریں وہ انگریزی ترجمہ کے الفاظ سے مطابقت

رکھتا ہو۔ اس اصول کے مطابق مترجمین نے آیۂ زیرِ بحث کا اُردو ترجمہ بائبل سوسائٹی کے انگریزی ترجمہ کے مطابق کیا ہے۔

لیکن یہ انگریزی ترجمہ غلط ہے کیونکہ وہ اصل یونانی الفاظ کا صحیح مفہوم ادا نہیں کرتا۔ چنانچہ کینن برنی[1] صاحب کہتے ہیں "عام مروّج ترجمہ "مجھے تجھ سے کیا کام ہے" اصل مفہوم کو ادا کرنے کی بجائے اس پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ ڈاکٹر ڈیمنتھ کہتے ہیں "اس آیت کا موجودہ ترجمہ نہایت غلط ہے۔ اصل الفاظ سے نہ درشتی ٹپکتی ہے اور نہ کسی قسم کی نکتہ چینی پائی جاتی ہے"۔ پروفیسر برکٹ[2] بھی یہی فرماتے ہیں۔ مشہور عالم ڈاکٹر بیسل بھی یہی کہتے ہیں۔ ڈاکٹر پیک[3] اپنی مشہور تفسیر میں یہی بتلاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں انگریز علماء نے جو انگریزی تراجم کئے ہیں۔ وہ بائبل سوسائٹی کے ترجمہ سے مختلف ہیں۔ چنانچہ "بیسویں صدی کا ترجمہ"[4] میں آیۂ زیرِ بحث یوں ترجمہ کی گئی ہے "آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں"؟ ڈاکٹر ڈیمنتھ[5] اس کا یوں ترجمہ کرتے ہیں "آپ اس معاملہ کو میرے ہاتھوں میں چھوڑ دیں"۔ پروفیسر برکٹ فرماتے ہیں "اس آیت کا ترجمہ یہ ہے "مجھے اور تجھے اس بات سے کیا"؟ انجیل نویس کا ان الفاظ سے سوائے اس کے اور کوئی مطلب نہیں کہ "فکر نہ کرو۔ کچھ پرواہ نہیں۔ سب انتظام ٹھیک طور پر ہو جائیگا"۔ مرحوم آرچ بشپ ٹمپل اسکا ترجمہ کرتے ہیں "سب خیر ہے"۔ (Readings in St. John Vol. I p. 36) مشہور مصلح لوتھر[6] نے اپنی بائبل کے نسخہ کے حاشیہ میں اس آیت کا یہ

---

1. Burney; 2. Burkitt. 3. Peake. 4. Twentieth century New Testament. 5. Weymouth. 6. Luther.

کہتا ہے کہ اس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ "مجھے اور تجھے کیا؟" سر ولیم ریمزے[1] جیسا محقق یہی کہتا ہے کہ "مجھے اور تجھے کیا؟ درست ہے"۔ رومی کلیسیا کا مستند ترجمہ "دو لوتھر کا ترجمہ مجھے اور تجھے کیا؟" ڈاکٹر ساؤٹر[2] اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔ "اس سے مجھے اور تجھے کیا"۔ پادری کیمبل صاحب کہتے ہیں۔ کہ یہ ہے "معمولی سی بات سے مجھ کو اور آپ کو کیا"۔

اس آیت کا مفہوم روز مرہ کی زبان میں ہم اس طرح ادا کر سکتے ہیں۔ "اماں جان کیا میں اور آپ اس معاملہ میں دخل انداز ہو سکتے ہیں"؟

پروفیسر ڈونسٹن اس آیت کا آبائے کلیسیا کی تحریرات کے متن کو پیش نظر رکھ کر یوں ترجمہ کرتے ہیں "اس بات سے مجھ کو اور آپ کو کیا؟"

ابتدائی مسیحی صدیوں میں ایک شخص نونس نام ایک مصری شاعر تھا۔ اس نے پانچویں صدی میں انجیل چہارم کو منظوم کیا۔ یہ شاعر اپنے منظوم نسخہ میں یہ الفاظ استعمال کرتا ہے "اے بی بی۔ مجھے یا تجھے اس بات سے کیا"؟ پروفیسر پلاس کا خیال ہے کہ نونس شاعر کے پیش نظر چوتھی صدی کا کوئی یونانی نسخہ تھا۔ جس کے متن میں اس آیۂ شریفہ کے یونانی لفظ Kai بمعنی "اور" کی بجائے لفظ η بمعنی "یا" تھا۔ پروفیسر مذکور کے خیال میں یہی قرأت درست بھی ہے۔ اس قرأت سے کم از کم یہ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ نونس اور اس کے ہمعصر اور ان تمام مشرقی کلیسیاؤں کے شرکا جن کے لئے انجیل چہارم پہلی صدی میں لکھی اور پانچویں صدی میں منظوم کی گئی تھی، اس آیت سے کیا مطلب اخذ کرتے تھے۔

اگر کسی کے دل میں اب بھی شک رہ گیا ہو تو وہ فاضل اجل پروفیسر گلاؤم[3]

---

1. Wm. Ramsay 2. Souter.

3. Guillaume.

کے الفاظ پر غور کرے۔ آپ کہتے ہیں "اگر کوئی شخص ان الفاظ سے وہ مطلب اخذ کرتا ہے جو انگریزی ترجمہ کے الفاظ سے مترشح ہے تو وہ یونانی زبان اور سیاق و سباق پر ظلم کرتا ہے"۔

یہ علماء اسی اصول کے مطابق یہ ترجمے کرتے ہیں جو مولوی صاحب کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں "یہ اصول منقول ہونے کے علاوہ معقول بھی ہے۔ کیونکہ کسی انگریزی کتاب کا ترجمہ کرنے کے لئے انگریزی محاورات کا لحاظ ضرور رکھا جائیگا"(رسالہ تفسیر بالرائے ص۴) جزاک اللہ۔ بارک اللہ۔ پس بائبل سوسائٹی کا مروجہ ترجمہ اور آپ کے اعتراضات دونوں غلط ہیں۔

آیۂ شریفہ کی اصل یونانی عبارت اور اس کا ترجمہ

(۱) ہم مولوی ثناء اللہ صاحب کی خاطر آیۂ شریفہ کی اصل یونانی عبارت اور اس کا تحت اللفظی اردو ترجمہ ذیل میں لکھ دیتے ہیں۔ تاکہ مولوی صاحب کی تشفی ہو جائے۔ آیت کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

"ٹی ایموے کئے سوئیے گونئے۔"

TI EMOI KAI SOI GUNAI

بی بی جی آپ کو اور مجھ کو کیا؟

اب معترضین ہی خدا لگتی کہیں کہ کیا اصل الفاظ اور اس کے تحت اللفظی ترجمہ سے "سوء ادبی" کی بو بھی آ سکتی ہے؟

(۲)

مولوی صاحب تو یہ عذر بھی پیش نہیں کر سکتے کہ آپ زبانِ یونانی نہیں جانتے۔ کیونکہ اگرچہ یونانی آپ کے تعلیمی نصاب میں داخل نہ تھی۔ تاہم آپ کم از کم عربی زبان سے تو واقف ہیں اور عربی کی انجیل آپ کے پاس موجود ہے

(اہلحدیث ۵ جون ۱۹۴۲ء) اگر آپ کا حقیقی مقصد حضرت روح اللہ کی فضیحت کرنا نہیں بلکہ تحقیقِ حق ہوتا تو آپ نے عربی کی انجیل کو ہی کھول کر دیکھ لیا ہوتا کہ اس میں آیۂ زیرِ بحث کا کیا ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس میں یہ ترجمہ ہے:۔

فقال لها يسوع مالی ولك ايتها المراة لما تات ساعتی

(ترجمہ ۱۸۳۱ء)

یہی ترجمہ مالی ولک اس ایڈیشن میں ہے جو ۱۸۷۳ء میں بیروت میں چھپی تھی۔ یہی ترجمہ مالی ولک اس ایڈیشن میں ہے۔ جو رومی کلیسیا نے بیروت میں ۱۸۷۹ء میں چھپوایا تھا۔ جو ترجمہ بیروت میں ۱۹۴۷ء میں چھپا ہے اس میں اس آیت کا عربی ترجمہ یہ ہے:۔

قَالَ لَهَا يَسُوعُ مَالِي وَلَكِ يَا امْرَأَةُ لَمْ تَاتِ سَاعَتِي بَعْدُ

کیا اس عربی ترجمہ سے (جو یونانی کا لفظی ترجمہ ہے) یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ "بے ادبی" کے الفاظ ہیں؟ آپ نے اعتراض کرنے سے پہلے انجیل کے عربی ترجمہ کو کیوں نہ دیکھ لیا؟ آپ کو معلوم ہونا چاہئیے کہ حضرت کلمتہ اللہ کی مادری زبان ارامی تھی اور آپ کے ارامی الفاظ جن میں آپ نے حضرت مریم صدیقہ کو مخاطب کیا تھا بعینہ وہی الفاظ تھے جو عربی ترجمہ میں وارد ہوئے ہیں یعنی ارامی الفاظ مالی ولک جن کا لفظی ترجمہ انجیل یونانی کے متن میں موجود ہے اگر مولوی صاحب محض اعتراض کرنے پر نہ تلے ہوتے اور آپ کو حقیقت کی تلاش منظور ہوتی تو آپ اس اعتراض کی اصل حقیقت کو عربی ترجمہ ہی سے پا لیتے اور یونانی زبان سے بیگانہ ہونے کے باوجود آپ پر یہ عقدہ کھل جاتا کہ اصلی الفاظ جن میں کلمتہ اللہ نے صدیقہ کو مخاطب کیا تھا ان میں "سوء ادبی" کا نام و نشان بھی موجود نہیں۔

معترض کی مزید تشفی کے لئے ہم بتلائے دیتے ہیں۔ کہ الفاظ زیر بحث عہد عتیق کے مستند یہودی ترجمہ یونانی یعنی ترجمۂ سبعینیہ (سیپٹواجنٹ) میں چھ مقامات میں وارد ہوئے ہیں اور انجیل جلیل میں چھ مقامات میں وارد ہوئے ہیں۔ پس تمام کتاب مقدس میں یہ الفاظ بارہ دفعہ آئے ہیں۔ اور ان سب مقامات پر غور کرنے سے یہی پتہ چلتا ہے کہ ان الفاظ کا ترجمہ "مجھے تجھ سے کیا کام" غلط ہے۔ یہ مقامات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) قضاۃ ۱۱: ۱۲۔ یہاں افتاح بنی عمون کے بادشاہ کے پاس صدائے احتجاج بلند کر کے پیغام بھجواتا ہے کہ اے بادشاہ میں نے تیرا کیا بگاڑا ہے جو تو مجھ پر چڑھائی کرنے آیا ہے۔ کیا یہاں افتاح "سوء ادبی" کا مرتکب ہو رہا ہے؟ (۲) و (۳) ۲۔سموئیل ۱۶: ۱۰ و ۱۹: ۲۲۔ ایک شخص حضرت داؤد پر لعنت کرتا ہے اور ضرویاہ کے غیور سر فروش بیٹے حق نمک ادا کرنے کے لئے حضرت سے اس کے قتل کی اجازت طلب کرتے ہیں لیکن آپ ان جان نثاروں کو اس فعل سے باز رکھنے کے لئے الفاظ زیر بحث استعمال کرتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے الفاظ زیر بحث کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ حضرت داؤد اور ان کے عقیدت مند نمک خواروں میں کوئی تعلق نہیں اور نہ کوئی صحیح العقل شخص یہ خیال کر سکتا ہے کہ حضرت اپنے کمان افسروں کی شان میں "سوء ادبی" کر رہے ہیں!

(۴) ۱۔ سلاطین ۱۷: ۱۸۔ حضرت ایلیاہ نبی نے صارپت کی بیوہ کے خاندان کو اعجازی طور پر بھوکا مرنے سے بچایا اور جب اس کا لڑکا بیمار ہوا تو وہ الفاظ زیر بحث میں حضرت کو خطاب کرتی ہے۔ موٹی سے موٹی عقل رکھنے والے پر بھی یہ ظاہر ہے کہ بیچاری بیوہ کا مطلب نبی کی شان میں بے ادبی

کرنا نہیں تھا۔ اور نہ اُس کا یہ مطلب تھا کہ اُس کا نبی کے ساتھ کسی قسم کا واسطہ یا تعلق نہیں ہے۔ اس کے برعکس وہ اپنی قسمت کے ہاتھوں نالاں ہے اور نبی سے امداد کی خواہاں ہے۔

(۵) ۲۔ سلاطین ۲: ۱۳۔ یہاں حضرت الیشع شاہ اسرائیل کو مخاطب کر کے الفاظ زیرِ بحث استعمال کرتا ہے۔ اس جگہ ترجمہ "مجھے تجھ سے کیا کام"؟ درست ہے اور اس کے معنی یہ ہیں۔ اے بادشاہ تُو نے خدا کو ترک کر دیا ہے۔ پس میرا تیرے ساتھ کوئی واسطہ اور تعلق نہیں۔

(۶) ۲۔ تواریخ ۳۵: ۲۱۔ اس مقام پر شاہِ مصر اسرائیل کے بادشاہ کے لئے زیرِ بحث الفاظ استعمال کرتا ہے جن سے اُس کی مراد یہ نہیں کہ مجھے تجھ سے کیا کام۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری تیرے ساتھ کوئی دشمنی اور خصومت نہیں۔ میرے اور تیرے درمیان رابطۂ اتحاد اور دوستی ہے اور ہم دونوں اتحادی ہیں۔ یہاں دونوں بادشاہوں میں کسی قسم کا تخالف مقصود نہیں ہے۔ اور "سوءِ ادبی" کا تو ذکر ہی کیا؟

انجیل جلیل میں یہ الفاظ آیۂ زیرِ بحث کے علاوہ ذیل کے مقامات میں وارد ہوئے ہیں:۔

متی ۸: ۲۹۔ مرقس ۱: ۲۴ و ۵: ۷۔ لوقا ۴: ۳۴ و ۸: ۲۸

ان تمام مقامات میں شیاطین اور ارواحِ بد الفاظ زیرِ بحث میں آنخداوند کو مخاطب کرتی ہیں۔ جب آپ اُن کو "جھڑک کر" انسانوں میں سے نکالتے ہیں سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ شیاطین اور ارواحِ بد کا ان الفاظ سے مفہوم منت و سماجت اور زاری اور عاجزی اور لاچاری کا اظہار کرتا ہے۔ ان کی غرض بکلمتہ اللہ سے درشتی اور سختی یا بالفاظِ مولوی صاحب "ناک بھوں چڑھانا"

نہیں ہے۔ نہ ان کا مقصد حضرت کلمتہ اللہ کی شان میں "سوء ادبی" کرنا ہے
اس کے برعکس وہ آپ کی ذاتِ پاک کے حضور اپنی بے بسی۔ لاچاری اور بدی کا
اقرار کرکے مانتی ہیں کہ آپ "خدا تعالےٰ کے بیٹے" اور "خدا کے قدوس" ہیں
کلمتہ اللہ کے ہم عصر "حیران ہو کر کہتے ہیں یہ کلمتہ اللہ کیسا ہے کہ وہ اختیار
اور قدرت سے ناپاک رُوحوں کو حکم دیتا ہے اور وہ نکل جاتی ہیں" (لوقا ۴ : ۳۶)
مندرجہ بالا بارہ مقامات میں عربی ترجمہ بائبل میں یونانی اصل
کا لفظی ترجمہ کیا گیا ہے۔ یعنی مالی و لک۔ مالی و لکم مالنا و لک لیکن
اُردو کے مترجمین نے ۱۹۳۰ء کے ایڈیشن میں بائبل سوسائٹی کے اصول اور
ہدایت کے مطابق ہر جگہ ان الفاظ کا ترجمہ "مجھے تم سے کیا کام"۔ "ہمیں تجھ
سے کیا کام" کیا ہے۔ سیاق و سباق ظاہر کرتا ہے اور سطور بالا میں ہم نے
ثابت بھی کر دیا ہے کہ اُردو میں ان الفاظ کا ترجمہ ہر مقام پر یکساں نہیں ہونا
چاہیئے تھا بلکہ مختلف مقامات میں مختلف طرح پر اقتضائے مقام کے
مطابق ترجمہ کرنا چاہیئے تھا۔ مترجمین کو چاہیئے تھا کہ جیسا موقع ہوتا ویسا
ہی الفاظ سے جو مراد ہے وہ صاف اور عام فہم الفاظ میں ادا کرتے۔ لیکن
مترجمین نے مفہوم اور مطلب کو سوائے ایک مقام کے ہر جگہ یکساں ترجمہ
کرنے کے اصول پر قربان کر دیا ہے۔
انجیل جلیل میں ایک اور مقام ہے جہاں گو بعینہ الفاظ زیر بحث
استعمال نہیں ہوئے لیکن اس جگہ وہی الفاظ صیغہ متکلم کی بجائے صیغہ
غائب میں استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ مقدس متی کی انجیل میں ہے "جب
پلاطوس تخت عدالت پر بیٹھا تو اُس کی بیوی نے اُسے کہلا بھیجا کہ تو اِس
راستباز (یسوع) سے کچھ کام نہ رکھ... سردار کاہنوں اور بزرگوں نے

لوگوں کو اُبھارا کہ یسوع کو ہلاک کرائیں" جب پیلاطُوس نے دیکھا کہ کچھ بن نہیں پڑتا۔ بلکہ اُلٹا بلوہ ہُوا جاتا ہے تو پانی لے کر لوگوں کے رُوبرُو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا کہ میں اِس راستباز کے خُون سے بَری ہُوں۔ تم جانو" (متی ۲۷: ۱۹-۲۴) اِس مقام میں مُنجئ عالمین اور رُومی گورنر میں کوئی تخالف مقصُود نہیں اور نہ کسی قسم کی سختی اور دُرشتی کے خیال تک کی گنجائش ہے۔

عربی بائبل میں آیت ۱۹ کا ترجمہ یُوں ہے۔ لیس شئ لک وذالک الصدیق یہ آیت مولوی ثناء اللہ صاحب کے اعتراض کو دفع کرنے کے لئے کافی اور وافی ہے۔ یہاں نہ تو پیلاطُوس کی بیوی اپنے خاوند کے حق میں "سوء ادبی" کرتی ہے اور نہ اُس کی یہ مُراد ہے کہ پیلاطُوس مُنجئ عالمین کے ساتھ بے ادبی سے پیش آئے۔ اس کے برعکس پیلاطُوس کی بیوی اپنے خاوند سے جس کے ہاتھ میں مسیح کی زندگی اور مَوت ہے (یوحنا ۱۹: ۱۰) یہ درخواست کرتی ہے کہ وہ مُلزم کی مدد کرے اور اہلِ یہُود کی غوغا آرائی کی پروا نہ کرے مظلُوم کی دادرسی کرے اور حق اور انصاف پر قائم رہے۔

مسیحیوں اور مسلمانوں یعنی فریقین کے نزدیک یہ اصولِ تفسیر مسلّم ہے کہ کتاب اللہ کی آیات کا صحیح مفہوم معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے دیگر مقامات پر غور کیا جائے، جہاں یہی الفاظ مستعمل ہُوئے ہیں۔ تاکہ دیگر مقامات کی روشنی میں ان الفاظ کا صحیح مفہوم متعین ہو سکے۔ چنانچہ مولانا رُوم فرماتے ہیں:- ع۔ معنی قرآں ز قرآں پُرس و بس

آپ کے حریف مرزائے قادیانی بھی کہتے ہیں "مومن کا کام نہیں کہ تفسیر بالرائے کرے بلکہ قرآن شریف کے بعض مقامات بعض دوسرے مقامات کے لئے خود تفسیر اور شارح ہیں" (خزینۃ الفرقان صفحہ ۳۴۲)

اسی صحیح اصولِ تفسیر کے مطابق ہم نے کتابِ مقدس کے اُن تمام مقامات پر غور کیا ہے جہاں یہ الفاظ وارد ہُوئے ہیں تاکہ ان مقامات کی روشنی میں آیۂ زیرِ بحث کے اصل مفہوم کا پتہ لگ جائے۔ اس صحیح اصول کی روشنی میں غبی سے غبی شخص بھی کتابِ مقدس کی زبان اور محاورہ سے خود دیکھ سکتا ہے کہ مُعترض کا اعتراض کس قدر لغو اور بے بنیاد ہے ؎

وہ بھی ہوگا کوئی اُمید بر آئی جس کی
اپنا مطلب تو نہ اس چرخِ کُہن سے نِکلا

آیۂ شریفہ کا مطلب قانائے گلیل میں ایک گاؤں تھا جو ناصرت سے تین کوس شمال مغرب کی جانب واقع تھا۔ وہاں ایک شادی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس خاندان میں شادی تھی اُس کا تعلق خُداوند مسیح کے خاندان سے تھا۔ انجیل مرقس میں آیا ہے کہ ناصرت کے باشندے کہتے تھے کہ آنخُداوند کی بہنیں یہاں ہمارے ہاں ہیں (۶: ۳)۔ جرمن عالم ذاہن کا خیال ہے کہ آنخُداوند کی بہنیں معہ اپنے خاندانوں کے تین کوس پرے قانائے گلیل میں جا بسی تھیں۔ بہرحال واقعہ کے پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بی بی مریم صدیقہ کا اِس خاندان سے جس میں شادی تھی گہرا تعلق تھا کیونکہ آپ مہمانوں کے کھانے پینے کی اشیاء کی نسبت متفکر اور متردد تھیں اور آپ نے منتظمین کو ہدایت کی تھی کہ وہ آنخُداوند کے ارشاد کے مطابق عمل کریں۔

اہلِ یہُود میں بیاہ شادی کی خوشی عموماً ۱۲ روز یا ۷ روز تک کی جاتی تھی (قضاۃ ۱۴: ۱۲۔ توبت ۱۱: ۱۹)۔ لیکن غریب گھروں میں شادی کی تمام رسوم ایک ہی دن میں ختم ہو جاتی تھیں۔ جس طرح پنجاب میں مہمانوں کی آؤ بھگت چائے اور شربت سے کی جاتی ہے۔ ارضِ مقدس میں انگور کے رس سے مہمانوں

کی تواضع کی جاتی تھی۔ جن کے گھر میں شادی تھی وہ امیر کبیر تو تھے نہیں (متی ۱۳ : ۵۵ و ۵۶) انگور کا رس ختم ہو گیا۔ اُم المومنین بی بی مریم صدیقہ پریشان خاطر ہو کر اپنے بیٹے کے پاس آئیں۔ کیونکہ آپ نے اپنے بیٹے کو ہمیشہ ایک عاقل مشیر اور دانا صلاح کار پایا تھا۔ جو آڑے وقت گھر یلو مشکلات کو اپنی ذکاوتِ طبع سے رفع کر دیا کرتا تھا۔ آپ آنخداوند سے متفکرانہ لہجہ میں فرمانے لگیں۔ بیٹا! ان کے پاس انگور کا رس اتنا نہیں رہا کہ تمام مہمانوں کے لئے کفایت کرے۔ اب کیا کیا جائے؟ حضرت کلمتہ اللہ نے اپنی مادرِ مشفقہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"بی بی جی۔ اس بات سے مجھ کو اور آپ کو کیا؟ اس معمولی سی بات سے آپ کیوں خواہ مخواہ تردد کر کے پریشان خاطر ہو رہی ہیں۔ آپ بالکل نہ گھبرائیں اور اس معاملہ کو مجھ پر چھوڑ دیں۔ یہ چیز آسانی سے مہیا ہو سکتی ہے۔ جب وقت آئیگا دیکھا جائیگا"۔ اہل یہود میں پنچایتی دستور کے موافق برادری کے شرکاء شادی کے وقت کھانے پینے کا انتظام کرتے اور کھانے کو مہمانوں میں تقسیم کرتے تھے (ایکلی ۳۵ : ۱-۲) بی بی مریم نے آنخداوند کے تسلی آمیز کلمات سُن کر اُن منتظموں کو ہدایت فرمائی۔ کہ وہ کلمتہ اللہ کے ارشاد پر عمل کریں اور خود اندر تشریف لے گئیں۔

ناظرین! خدارا انصاف کریں کہ اس تمام واقعہ میں آنخداوند کے وہ کونسے الفاظ ہیں جن سے "سوءِ ادبی" ٹپکتی ہے؟ ممکن ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب یہ اعتراض کریں کہ آنخداوند کے کلماتِ طیبات کی ہم نے اس طور پر تاویل کی ہے کہ اُن میں بے ادبی اور گستاخی کا نشان نہیں رہا۔ لیکن ناظرین نے یہ نوٹ کیا ہوگا کہ ہم نے مندرجہ بالا تاویل میں وہی الفاظ استعمال کئے ہیں

جو دورِ حاضر کے مُستند انگریزی مترجمین کے اپنے ترجموں کے متن میں مستعمل ہوتے ہیں اور جن کو ہم نے اس باب کے شروع میں نقل کیا ہے۔ یہ تاویل کتاب اللہ کے محاورات اور الفاظ کے مطابق صحیح اُصولِ تفسیر پر مبنی ہے۔ لہٰذا یہ درست ہے۔

الفاظ "اے عورت" مولوی ثناء اللہ صاحب آیۂ زیرِ بحث کے اُردو ترجمہ کے "اے عورت" کی نسبت یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس خطاب سے "بے ادبی" ٹپکتی ہے۔ لیکن یہ اعتراض بھی یُونانی زبان سے لاعلمی پر مبنی ہے۔ یُونانی متن میں جو لفظ وارد ہُوا ہے وہ "گونئے" (γυναι) ہے۔ جس کا ٹھیٹھ اُردو ترجمہ "بی بی جی" ہے۔ انجیلی اُردو ترجمہ کے الفاظ "اے عورت" قابلِ گرفت ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ قصُور مترجمین کا ہے نہ کہ خطاب کرنے والے کا۔ ہر صاحبِ دانش کو "قائل" اور "مترجم" میں تمیز کرنی چاہئے۔ یُونانی میں لفظ "گونئے" ایک باعزت خطاب سمجھا جاتا ہے اور یہ لفظ اکثر ایسے موقعوں پر بولا جاتا تھا جب مخاطب کا نہ صرف ظاہرا ادب مقصُود ہوتا بلکہ دِلی عزت بھی مقصُود تھی یُونانی لفظ "گونئے" انگریزی لفظ "لیڈی" کا مترادف ہے۔ یُونانی لفظ ایک باعزت خطاب ہے جو معزز خواتین حتےٰ کہ ملکہ تک کے لئے مستعمل ہوتا تھا۔ چنانچہ قیصر اگسطس نے ملکہ کلیوپیٹرا (جس کا سن وفات خُداوند مسیح سے تیس سال قبل تھا) کو خطاب کرتے وقت یہی لفظ استعمال کیا تھا۔ ڈاکٹر وِسٹکٹ اپنی مشہورِ عالم تفسیر میں فرماتے ہیں "اصل یُونانی لفظ میں درشتی یا ناک بھوں چڑھانے" کا نشان تک نہیں ہے۔ بلکہ خطاب سے عزت اور محبت ظاہر ہوتی ہے"۔ (جلد اوّل صفحہ ۸۲) یہی وجہ ہے کہ آنخداوند نے صلیب پر سے جانکنی کی حالت میں اپنی مادرِ مُشفقہ کو مخاطب کر کے اسی لفظ کو استعمال

کہا تھا۔ کوئی شفیق القلب انسان بھی ایسی سخت اذیت اور جانکنی کی حالت میں اپنی ماں کو ایسے الفاظ میں مخاطب نہیں کرتا جن سے "سوء ادبی" ٹپکتی ہو۔ چہ جائیکہ وہ انسان وجیھاً فی الدنیا والاخرۃ و من المقربین ہو جو خود ماں کی متابعت بچپن سے کرتا چلا آیا ہو (لوقا ۲: ۵۱) اور جس نے ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہونے کے لئے ماں باپ کی عزت کرنے کی شرط لگادی ہو (مرقس ۱۰: ۱۹) مشہور مفسر میگگریگر بھی (Macgregor) کہتا ہے۔ کہ "اصل یونانی میں لفظ "عورت" کے خطاب سے کوئی درشتی نہیں ٹپکتی۔ اس کے برعکس یہ عزت کا خطاب ہے۔"[1]

اسی طرح مسٹر وائن کہتے ہیں:- "جب لفظ "گونے" (بمعنی عورت) ندائیہ طور پر استعمال ہوتا ہے تو اس سے درشتی یا سختی مراد نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس اس لفظ سے پیار اور عزت ٹپکتی ہے۔ مثلاً متی ۱۵: ۲۸۔ یوحنا ۲: ۴۔ موخر الذکر مقام میں یہ لفظ پیار اور محبت ظاہر کرتا ہے۔"[2]

پس اگر یہاں الفاظ "اے عورت" کی بجائے "اماں جان" لکھے جائیں تو یونانی کا صحیح مفہوم اردو میں ادا ہو سکتا ہے۔ انجیل جلیل کا مطالعہ تو یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ کلمتہ اللہ جب کبھی کسی عورت کو مخاطب کرتے تو آپ اس کو ہمیشہ "بی بی جی" کہتے (یوحنا ۲۰: ۱۵ + ۴: ۲۱ + ۸: ۱۰ وغیرہ) بعینہ یہی یونانی لفظ فرشتوں نے بی بی مریم مگدلینی کو خطاب کرتے وقت استعمال کیا ہے۔ (یوحنا ۲۰: ۱۳) سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ اس مقام پر

---

1. Gospel of St. John (Moffat's Series) p.
2. W. E. Vine's Expository Dictionary of New Testament words. Vol. 4. P. 227.

فرشتوں کا مقصد بی بی مگدلینی سے درشت کلامی نہیں تھا بلکہ اُس کے ساتھ ہمدردی۔ ترس اور رحم کا اظہار کرنا مقصود تھا۔

اگر معترضین کو مزید تشفی کی ضرورت ہے تو ان کی پاسِ خاطر ہم ان کی توجہ فاضل علماء سٹریک اور بلربیک کی مشہور عالم تصنیف کی جانب مبذول کرتے ہیں جس میں ان فضلائے زمانہ نے عہد جدید کی زبان کا مقابلہ یہودی ربیوں کی کتب کے الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔ اس کتاب میں وہ بتلاتے ہیں۔ کہ ایک غریب شخص نے یہودی ربی جلیل کی بیوی سے بھیک مانگتے وقت اسی لفظ سے مخاطب کیا تھا جس کا ترجمہ اُردو انجیل یوحنا میں "اے عورت" کیا گیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی فقیر بھیک مانگتے وقت "بے ادبی" کا ارتکاب نہیں کرتا۔ ہمیں امید ہے کہ اب معترضین کی سمجھ میں بھی آگیا ہوگا کہ یہ خطاب عزت کا خطاب ہے جس طرح اس یونانی لفظ کا ٹھیٹھ اُردو ترجمہ "بی بی جی" ہمارے ملک میں عزت کا خطاب ہے انجیل یوحنا کے پنجابی ترجمہ میں اس لفظ کا ترجمہ "مائی جی" کیا گیا ہے (مطبوعہ مشن پریس لدھیانہ ۱۸۹۹ء)۔ جس سے ظاہر ہے کہ اصل یونانی لفظ عزت کا خطاب ہے۔

(۲)

مولوی صاحب دعوے تو کرتے ہیں کہ وہ "بال کی کھال نکالنے والے ہیں" (ص۵۱) لیکن اگر وہ ذرا سی زحمت گوارا کر کے انجیل جلیل کو بنظر غائر پڑھتے تو وہ اپنے ایک اولوالعزم نبی پر ماں کی بے ادبی کرنے کا الزام نہ لگاتے۔ آپ نے ذرا خیال نہ کیا کہ کلمتہ اللہ کس طرح اپنی ماں کو "جو دُنیا جہاں کی عورتوں میں مُبارک تھی"۔ "اور جس پر خُدا کا فضل ہوا اور جس کے ساتھ خُدا تھا"

(لوقا ۱: ۲۸) درشتی سے مخاطب کر سکتے تھے؟ اور تعجب پر تعجب یہ ہے کہ مقدسہ مریم اس خطاب سے ناراض نہ ہوئیں! کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ خطاب میں کسی قسم کی "سوءِ ادبی" نہ تھی؟ کیا وہ جس کی شان میں انجیل و قرآن دونوں رطب اللسان ہیں اور جس کا یہ درجہ تھا کہ قرآن کہتا ہے۔ یا مریم اِنّ اللہ اصطفٰکِ علیٰ نساءِ العالمین (اے مریم بلاشک اللہ نے تجھے برگزیدہ کیا اور تجھ کو پاک کیا اور تجھ کو تمام جہان کی بی بیوں کے مقابلہ میں برگزیدہ کیا) (آل عمران ۳۷) اس قسم کی عورت تھیں کہ اگر وہ دیکھتیں کہ ان کے بیٹے نے ان سے درشت کلامی کی ہے اور ان کو نامناسب طور سے مخاطب کیا ہے تو وہ صحفِ سماوی کے حکم کے مطابق ان کو تنبیہ نہ کرتیں؟ یا کیا مولوی صاحب کا یہ خیال ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ شادی کے موقعہ پر اس غرض سے تشریف لے گئے تھے کہ وہ لوگوں کو اپنے نمونہ سے دکھلائیں کہ ماں کی تحقیر کس طرح کیا کرتے ہیں؟

فلسفہ کی شاخ علمِ نفسیات کا یہ مسلّمہ اصول ہے کہ کسی شخص کے اقوال اس کے خیالات اور جذبات کے مظہر ہوتے ہیں۔ اب معترضین ہی انصاف کریں کہ کیا یہ امر قرینِ قیاس ہو سکتا ہے کہ منجیِ کونین جو ان کے نزدیک رسول اللہ۔ روح اللہ اور کلمتہ اللہ ہیں اور جس کی شان میں خود پروردگار عالم نے قرآن میں لکھا ہے کہ ایدنا ہ بروح القدس اور وجیھاً فی الدنیا والاخرۃ ومن المقربین۔ کیا یہ امر قرینِ قیاس ہو سکتا ہے کہ اس پایہ کا شخص اپنی مادرِ مہربان سے سخت کلامی اور سوءِ ادبی سے پیش آیا ہو؟ قرآن میں حضرت کلمتہ اللہ گہوارہ میں کلام کرتے وقت فرماتے ہیں وجعلنی مبٰرکاً اینَ ما کنت ...... شقیا یعنی

مجھ کو برکت والا بنایا ہیں جہاں کہیں بھی ہوں ..... اور مجھ کو میری والدہ کا خدمتگزار بنایا اور اُس نے مجھ کو سرکش بدبخت نہیں بنایا (سورہ مریم) کیا معترض کی افترا پردازی اِس قرآنی آیہ شریفہ کی تفسیر ہے؟

گر تو قرآن بدیں نمط خوانی ببری رونق مسلمانی

آپ نے اعتراض کرنے سے پہلے یہ تو دیکھا ہوتا کہ حضرت بی بی مریم کا طرزِ عمل اس باب میں فیصلہ کُن ہے۔ اُمّ المومنین نے مُنجّیٔ عالمین سے گفتگو کرنے کے بعد منتظمین جلسہ کو حکم دیا کہ "جو کچھ یہ تم سے کہے وہ کرو" (۲: ۵)۔ جس سے ظاہر ہے کہ آپ کے خیال شریف میں آنخداوند کا نہ تو طرزِ خطاب قابلِ گرفت تھا۔ اور نہ وہ فقرہ جو آپ کی زبان مُبارک سے نکلا "سوء ادبی" کا جملہ تھا اور اگر مولوی ثناء اللہ صاحب آنخداوند کے الفاظ سے وہ نتیجہ اخذ نہیں کرتے جو اُمّ المومنین بی بی مریم نے اخذ کیا تھا۔ تو قصور مولوی صاحب کی عقل اور فہم کا ہے جس کی وجہ سے بے باکی سے کام لے کر آپ حضرت رُوح اللہ پر اتہام لگانے سے ذرا نہیں جھجکتے۔ مولوی صاحب کی تہمت اور بہتان کے تیر و سنان کا یہ حال ہے کہ ؎

پہلو کی چوٹ۔ دل کی چوٹ یا جگر کی چوٹ
کھاؤں کدھر کی چوٹ بچاؤں کدھر کی چوٹ؟

ابھی میرا وقت نہیں آیا ہے

چونکہ اس رسالہ کے لکھنے سے ہمارا مقصد مخالفین مسیح کو نیچا دکھانا نہیں بلکہ اُن پر اُن کے گناہ کو ظاہر کرنا منظور ہے جس کے وہ حضرت کلمتہ اللہ کی شان میں بے ادبی۔ گستاخی۔ توہین اور تذلیل کے کلمات استعمال کر کے مُرتکب ہوئے ہیں تاکہ وہ اپنے گناہِ عظیم سے توبہ کریں لہٰذا اتمام حجت کی خاطر ہم آیہ زیر بحث

کے سب الفاظ پر غور کرتے ہیں۔ تاکہ کسی صاحب کو کسی قسم کے شک کی گنجائش نہ رہے۔ اس آیۂ شریفہ کے الفاظ کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"بی بی جی۔ مجھ کو اور آپ کو (اس بات سے) کیا؟ ابھی میرا وقت نہیں آیا ہے" (۲: ۴)

آخری الفاظ میں مولوی صاحب بھی کوئی "درشتی وادبی" نہیں دیکھ سکے۔ ورنہ وہ ان کو بھی ضرور محل اعتراض بناتے۔ آپ کے ان الفاظ پر اعتراض نہ کرنے سے ظاہر ہے کہ آپ کو ان میں کوئی قابل گرفت بات نہیں ملی اور نہ آپ کا یہ خیال ہے کہ منجی عالمین نے ان الفاظ سے اُمّ المومنین کے ارشاد کو بجالانے سے انکار کیا۔ لیکن بالفرض اگر کسی صاحب کا یہ خیال ہو تو ہم بتلا دیتے ہیں کہ بی بی مریم کے ارشاد سے جو انہوں نے منتظمین جلسہ کو فرمایا۔ یہ ظاہر ہے کہ کلمتہ اللہ کے الفاظ "ابھی میرا وقت نہیں آیا" سے آپ کا مطلب انکار کرنا نہیں تھا۔ بلکہ وقت موزوں پر آپ کے ارشاد کی تعمیل کرنا تھا۔ چنانچہ اگلی آیت میں ہی حضرت صدیقہ منتظمین کو حکم دیتی ہیں کہ "جو کچھ یہ تم سے کہے وہ کرو" (۲: ۵)۔ اگر انجیل نویس کا مقصد کلمتہ اللہ کے الفاظ سے یہ بتلانا تھا کہ آپ نے اپنی ماں کے ارشاد کے مطابق عمل کرنے سے انکار کیا تو اُس کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ باقی ماندہ آیات (۶ تا ۱۲) میں بتلاتا کہ آنخداوند نے مقدسہ کے ارشاد کے موافق اعجازی طور پر پانی کو انگور کے رس سے تبدیل کر دیا۔ اور اگر ابن اللہ کا مطلب انکار سے تھا تو اُمّ المومنین کیوں اتنا بھی نہ سمجھ سکیں؟ بلکہ اُلٹا اُنہوں نے انتظام کرنے والوں کو حکم دیا کہ "جو کچھ یہ تم سے کہے وہ کرو"؟ حضرت بی بی مریم کا رویہ اس فقرے کو سمجھنے کی اصل کنجی ہے اور منجی کونین کے الفاظ کی تاویل

نہ صرف اس روئیہ کی روشنی میں بلکہ سیاق و سباق کے مطابق اور آپ کی طرزِ ادا لب و لہجہ۔ چہرے اور پیشانی کی حرکت۔ آنکھوں کی جنبش وغیرہ کی روشنی میں کرنی چاہئے۔ بمصداق ؎

تامّل تو تھا اُن کو آنے میں قاصد
مگر یہ بتا طرزِ انکار کیا تھی (اقبالؔ)

حضرت کلمتہ اللہ کے قول طرزِ کلام۔ لب و لہجہ اور دیگر حرکات و سکنات وغیرہ سے حضرت مقدسہ نے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ وقتِ موزوں پر آپ کا بیٹا آپ کے ارشاد کے مطابق عمل کریگا۔ اور اسی نتیجہ کے ماتحت آپ نے منتظمین کو حکم بھی دیا اور مابعد کے واقعہ نے ثابت بھی کر دیا کہ جس نتیجہ پر اُمّ المومنین پہنچی تھیں وہی نتیجہ صحیح تھا اور معترضین کے قیاسات غلط ثابت ہوئے

(۴)

حضرت کلمتہ اللہ کا مطلب۔ الفاظ "ابھی میرا وقت نہیں آیا" سے کیا تھا؟ آپ نے تامّل کیوں فرمایا؟ اور تاخیر کی اصلی وجہ کیا تھی؟ سطورِ بالا میں ہم صحیح اُصول تفسیر بتلا چکے ہیں کہ "معنی الفاظ انجیل از انجیل پرس دیں" اس اصول کے مطابق اگر ہم اُن مقامات پر غور کریں جہاں اسی انجیل میں یہی الفاظ آنخداوند نے استعمال کئے ہیں تو ہم ان کا مطلب سمجھ سکیں گے اس انجیل میں یہی الفاظ ایک اور جگہ آنخداوند کی زبان مبارک سے نکلے ہیں (۷:۶) اور وہاں بھی تاخیر مقصود ہے۔ ہر دو مقامات پر غور کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ابن اللہ ہر کام کو کرنے سے پہلے خدا باپ کی مرضی کو معلوم کرنا چاہتے تھے اور اس تلاش میں ہوتے تھے کہ باپ کی مرضی کے مطابق اُس کام کے کرنے کا مناسب اور موزوں وقت کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا۔

"میں اپنی مرضی نہیں بلکہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی چاہتا ہوں"۔ (۵ : ۳۰)
آپ نے اپنی آمد کا مُدعا بایں الفاظ بتلایا "میں آسمان سے اس لئے اُترا ہوں
کہ اپنی مرضی کے موافق عمل نہ کروں"۔ (۶ : ۳۸) پھر وقتِ موزوں کی نسبت
آپ نے فرمایا "میں نے کبھی کچھ اپنی طرف سے نہیں کیا بلکہ باپ جس نے
مجھے بھیجا ہے اُسی نے مجھے حکم دیا ہے کہ کیا کہوں اور کب بولوں۔ پس جو
کچھ کہتا ہوں جس طرح باپ نے مجھے فرمایا میں اُسی طرح کہتا ہوں (۱۲: ۴۹
- ۵۰ وغیرہ) اور اسی اصول کے ماتحت آپ نے اپنے بھائیوں کو جو اصرار
کرکے آپ کو اپنے ہمراہ عیدِ خیام کے موقعہ پر یروشلم لے جانا چاہتے تھے
الفاظ زیرِ بحث استعمال کرکے فرمایا "ابھی میرا وقت نہیں آیا۔ لیکن
تمہارے لئے سب وقت ہیں۔ تم عید میں جاؤ میں ابھی اس عید میں نہیں
جاتا کیونکہ ابھی تک میرا وقت پورا نہیں ہوا۔ اور جب عید کے آدھے دن گذر
گئے تو یسوع ہیکل میں جاکر تعلیم دینے لگا" (۷: ۶ و ۸ و ۱۴) اسی اصول کے ماتحت
آپ نے شاگردوں کو فرمایا "میری خوراک یہ ہے کہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی کے
موافق عمل کروں اور اس کے کام کو پورا کروں۔ کیا تم نہیں کہتے کہ فصل کے
پکنے میں ابھی چار مہینے باقی ہیں؟ دیکھو میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی آنکھیں
اُٹھاکر کھیتوں پر نظر کرو کہ فصل پک گئی ہے" (۴: ۳۴ و ۳۵) جب آپ کا
دوست لعزر بیمار تھا اور اُس کی بہنوں نے آپ کو جلدی تشریف لانے کے
لئے پیغام بھیجا تو آپ اپنے اسی اصول پر عمل پیرا ہوکر فوراً نہ چل دیئے۔ بلکہ
جس جگہ تھے وہاں آپ نے دو دن اور قیام فرمایا اور پھر اس کے بعد شاگردوں
سے کہا "آؤ یہودیہ کو چلیں"۔ شاگردوں نے بہتیرا کہا کہ یہ وقت یہودیہ کو جانے
کے لئے مناسب اور موزوں وقت نہیں ہے کیونکہ ابھی تو شقی القلب یہود

آپ کو سنگسار کرنا چاہتے تھے۔ لیکن آپ نے اُن کی ایک نہ مانی اور الٰہی مرضی کو معلوم کر کے (آیت ۱۵ و ۴۰) آپ نے فرمایا "کیا دن کے بارہ گھنٹے نہیں ہوتے۔ اگر کوئی دن کو چلے تو ٹھوکر نہیں کھاتا۔ کیونکہ وہ دُنیا کے نُور (یعنی خُدا کی مرضی) کی روشنی دیکھتا ہے۔ لیکن اگر کوئی رات کو چلے تو ٹھوکر کھاتا ہے۔ کیونکہ اس میں (خُدا کی مرضی کی) روشنی نہیں" (آیت ۹ مقابلہ کرو (یسعیاہ ۸: ۱۹-۲۲ + یرمیاہ ۱۳: ۱۶ وغیرہ)۔

انجیل جلیل سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ کا یہ ایمان تھا کہ خُدا باپ کے علم میں ہر بات کے لئے ایک خاص وقت اور میعاد مقرر ہے۔ (اعمال ۱: ۷ + متی ۲۴: ۳۶ وغیرہ) اور آپ کوئی کام نہیں کرتے تھے تاوقتیکہ آپ یہ معلوم نہ کر لیں کہ خُدا کی مرضی کے مطابق اس کے کرنے کا وقت آیا ہے یا نہیں (یُوحنّا ۱۲: ۲۳ و ۱۷: ۱) پس اگر آپ کسی کام کے کرنے میں تاخیر کرتے تھے تو یہ تاخیر عین خُدا کی مرضی اور منشاء کے مطابق ہوتی تھی۔

(۳)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قانائے گلیل کے موقعہ پر تاخیر کی کیا وجہ تھی؟ گو انجیل نویس اس خاص مقام میں تاخیر اور وقفہ کا سبب بیان نہیں کرتا۔ تاہم قوتِ متخیلہ اور قرائن کی مدد سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ اس وقفہ کی وجہ غالباً کیا تھی۔ یہ زمانہ آنخداوند کی رسالت کا ابتدائی وقت ہے۔ آپ گویا زمانہ رسالت کی دہلیز پر کھڑے ہیں اور آپ کو یہ احساس ہے کہ آپ میں اعجازی طاقت موجود ہے اور آپ کے سامنے سوال یہ ہے کہ کیا اس اعجازی طاقت کے استعمال کا وقت آگیا ہے یا نہیں۔ آپ کے ہم عصر یہود کا یہ خیال تھا کہ جب مسیح موعود آئیگا تو وہ شان و شوکت اور جلال و حشمت سے آئیگا

اور اپنے مسیحائی اعجاز کے "قہر شدید" سے سلطنت روم کو تہ و بالا کر کے اس کو پریشان کر دیگا۔ اور رومی فرمانفرماؤں کو لوہے کے عصا سے توڑے گا۔ اور اپنے غضب سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کمہار کے برتن کی طرح ان کو چکنا چور کر دیگا۔" اور یوں آسمان کی بادشاہی کی بناء ڈالیگا (زبور ۲ وغیرہ) کہاں آپ کے ہم عصر یہود کی یہ امیدیں جو مسیحائی دور کے آغاز کے ساتھ وابستہ تھیں اور کہاں ایک کمین گو شریف طبقہ کے غریب گھرانے میں شادی بیاہ کے موقعہ پر پانی کو انگور کے رس میں تبدیل کر کے مسیحائی دور کی ابتدا کرنا اور یوں خدا کی بادشاہی کی بناڈالنا ع ببیں تفاوتِ راہ از کجا ست تا بکجا۔ یہ معجزہ ایسا نہ تھا کہ امراء اور رؤسائے یہود کی آنکھیں اس سے چکا چوند ہو جاتیں (متی ۴: ۱-۱۱) اور وہ طوعاً و کرہاً آنخداوند کے عقیدتمند غلام اور جاں نثار فدائی ہو جاتے۔ قوم یہود کے قائدِ اعظم تو ایسے غریب گھرانے کی چار دیواری کے نزدیک پھٹکنا بھی اپنی توہین سمجھتے تھے۔ پس ابن اللہ کے سامنے یہ سوال تھا۔ کہ کیا مسیحائی اعجاز کا دور شروع کرنے کا وقت آگیا ہے یا نہیں۔ کیا اس دور کا آغاز آپ کے ہم عصروں کے خیال کے مطابق جلال و حشمت کے کاموں سے شروع ہوگا یا رحم اور محبت اور انسانی ہمدردی کے معجزہ کے ساتھ اس مسیحائی دور کا شروع ہوگا؟ جب ابن مریم نے اپنی والدہ مکرمہ کا ارشاد سنا تو خدا کی مرضی دریافت کرنے کی جانب آپ متوجہ ہوئے تاکہ معلوم کریں کہ آسمان سے اس کے متعلق کیا آواز آتی ہے اور مسیحائی دور کے طریقہ آغاز جیسے اہم معاملہ کے متعلق خدا باپ کی مرضی کیا ہے کہ وہ کب اور کس طرح اور کن اسباب کے ذریعہ شروع کیا جائے؟ جب ابن اللہ نے باپ کی طرف

رجوع کیا تو خدا نے آپ پر اپنی مرضی کو منکشف کیا کہ مسیحائی اعجاز کا دور اہل یہود کے خیالات و توہمات کے مطابق شروع نہیں ہوگا (متی ۴: ۱۔۱۱) بلکہ محبت اور رحم اور انسانی ہمدردی کے کاموں سے شروع ہوگا (لوقا ۷: ۲۱۔۲۳ + ۴: ۱۷۔۲۲ وغیرہ) آپ نے اپنی والدہ مکرمہ حضرت صدیقہ کی آواز کو "نقارۂ خدا" سمجھا اور آپ کے ارشاد کی تعمیل کرکے ماں کے حکم اور خدا کی مرضی کو پورا کر کے "اپنا جلال ظاہر کیا۔ اور آپ کے شاگرد آپ کی مسیحائی پر ایمان لائے" (آیت ۱۱)

آیۂ زیر بحث ایک اور تاویل

فاضل اجل لیوی سن صاحب آیۂ زیر بحث کی ایک تاویل کرتے ہیں جو ایسی سادہ اور عام فہم ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب جیسی سمجھ رکھنے والے بھی آسانی سے سمجھ سکیں۔ اس کے علاوہ یہ تاویل یہودی دستورات کے مطابق بھی ہے۔ صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ اہل یہود بیاہ شادی کے موقعہ پر انگور کا رس عام استعمال کرتے تھے۔ اور یہ رسم زمانۂ قدیم سے دورِ حاضر تک صوبۂ گلیل میں چلی آئی ہے کہ نہ صرف دلہا کا یہ فرض تھا کہ انگور کا رس بہم پہنچائے بلکہ دلہا کے رشتہ دار اور براتی انگور کے رس کو مہیا کرنے میں بھی حصہ لیتے تھے۔ بیاہ کی مختلف رسوم بعض اوقات چودہ دن اور بعض اوقات سات دن (قضاۃ ۱۴: ۱۲) لیکن غریب گھروں میں بالعموم ایک ہی دن میں ادا ہو جاتیں لیکن جتنے دن بھی یہ رسوم رہتیں، دلہا (قضاۃ ۱۴: ۱۰) اور اس کے رشتہ دار اور براتی باری باری حسب ضرورت انگور کا رس مہیا کرنے کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ اگر دلہا کا ربی بیاہ کے موقعہ پر موجود ہوتا تو اس کو یہ فخر حاصل ہوتا کہ اگر وہ چاہتا تو وہ سب سے پہلے دلہا کو بطور تحفہ انگور کے رس کی پیشکش

کرتا۔ اس یہودی دستور کی روشنی میں صاحب موصوف آیۂ زیر بحث کی یوں تاویل کرتے ہیں۔ کہ جب بی بی مریمؑ نے دیکھا کہ انگور کا رس کم ہو رہا ہے اور مہمانوں کے لئے کفایت نہیں کریگا تو دولہا کے عزیز اور براتی ہونے کی حیثیت سے آپ اپنے بیٹے کے پاس تشریف لائیں اور فرمانے لگیں۔ "بیٹا۔ ان کے پاس انگور کا رس نہیں رہا"۔ اس پر کلمتہ اللہ نے حضرت صدیقہ سے فرمایا۔ "بی بی جی۔ مجھ کو اور آپ کو اس بات سے کیا؟ ابھی میری نوبت نہیں آئی"۔ اگر ہم یہودی دستور کی روشنی میں آیۂ شریفہ پر غور کریں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دولہا کا رِبّی وہاں شادی کے موقع پر بطور نکاح خواں موجود تھا۔ جس کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اگر چاہے تو سب سے پہلے انگور کے رس کی پیشکش کرے اور اس کے بعد دولہا کے دیگر عزیز و اقارب اور براتی اپنی اپنی باری اس کو نذر کریں۔ پس آنخداوند نے اس دستور کو مدِ نظر رکھ کر بی بی صدیقہ سے فرمایا "بی بی جی۔ آپ تردد نہ فرمائیں۔ ابھیؔ ہماری نوبت نہیں آئی جونہی ہماری باری آئیگی سب انتظام ٹھیک طور پر ہو جائیگا۔ آپ خاطر جمع رکھیں۔ اور اس معاملہ کو مجھ پر چھوڑ دیں"۔ اس پر بی بی مریم نے منتظمین جلسہ کو فرمایا کہ "جو کچھ یہ تم سے کہے وہ کرو"۔ اور واپس اندر تشریف لے گئیں۔ جب آپ کی نوبت آئی تو آپ نے اعجازی طور پر پانی کو انگور کے رس میں تبدیل کر دیا۔

مذکورہ بالا تاویل میں جس دستور کا فاضل لیمسن صاحب نے

ؔ پروفیسر لیمزا (Lamsa) کا یہی ترجمہ ہے "ابھی میری باری نہیں آئی"۔ یہ ترجمہ سریانی زبان سے کیا گیا ہے۔ جو خداوند کی مادری زبان یعنی ارامی سے ملتی جلتی ہے۔ (برکت اللہ)

نے ذکر کیا ہے اُس کی تصدیق مشہور و معروف یہودی متنصر ڈاکٹر ایڈر شائم بحوالہ یہودی کتاب "باب بتھرا" بایں الفاظ کرتے ہیں "شادی بیاہ جیسے موقعوں پر انگور کے رس اور تیل کا ہدیہ پیشکش کرنا کارِ ثواب سمجھا جاتا تھا اور خیرات میں داخل تھا"۔ مرحوم یہودی عالمِ اجل ڈاکٹر ابراہام بھی اس دستور کا انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنس اینڈ ایتھکس میں ذکر کرتے ہیں۔ پس جب مستند یہودی علماء کے اقوال سے لیوتھی سن صاحب کی تاویل کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔ تو کسی شخص کو جس کے سر میں دماغ اور دماغ میں عقل ہے۔ اس تاویل کو کم از کم قرینِ قیاس ماننے میں تامل نہیں ہو سکتا اگر یہ تاویل درست تسلیم کی جائے تو مولوی صاحب کو بھی لاچار یہ ماننا پڑیگا۔ کہ اس آیۂ شریفہ میں "مسیح نے اپنی والدہ مکرمہ کو "ناک بھوں چڑھا کر" (ص۱۴۱) خطاب نہیں کیا تھا اور "ناظرین بھی اندازہ کر سکتے ہیں کہ الفاظ زیرِ بحث "ادب کے ہیں یا سوء ادبی کے" (ص۱۴۲) یہ تاویل ایسی سادہ۔ صاف۔ سیدھی اور واضح ہے کہ اُس کی رُو سے کوئی صحیح العقل شخص اس آیت کے کسی ایک لفظ پر بھی اعتراض نہیں کر سکتا۔ ہاں۔ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب کی طرح اس کا واحد مقصد حضرت کلمتہ اللہ کی شان میں بیکار سوال اور فضول اعتراض کر کے توہین آمیز کلمات کہہ کر بے ادبی کرنا اور اتہام طرازی ہے تو وہ دُوسری بات ہے۔ مولوی صاحب کو اشعار بہت پسند ہیں۔ معلوم نہیں کہ مولانائے روم کا یہ شعر ان کی نظر سے کبھی کیوں نہیں گزرا۔؟ ع

از خُدا خواہیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم ماند از فضلِ ربّ

باب چہارم

کیا ابن اللہ نے شراب بنائی ؟

تیسرا اعتراض مولوی ثناء اللہ صاحب کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ خداوند مسیح نے جو شے اعجازی طاقت سے بنائی ۔ وہ شراب تھی ۔ آپ نے انجیلی اُردو کے لفظ "مے" (آیت ۳) کا ترجمہ عام فہم لفظ "شراب" کیا ہے (صفحہ ۸۴) اور بقول جناب "شراب" اُردو زبان میں نشہ آور پانی کا نام ہے جو ہر عقلمند کے نزدیک بہت بُری چیز ہے "۔ (صفہ ۹) پس انجیلی لفظ کا آپ نے اُردو ترجمہ "شراب" کر کے یہ اعتراض کیا ہے کہ آنخداوند نے قانائے گلیل میں پانی کو شراب میں تبدیل کیا جو "نشہ آور پانی" ہونے کی وجہ سے "ہر عقلمند کے نزدیک بہت بُری چیز ہے"۔

مولوی صاحب کا یہ فرض تھا کہ آپ یہ ثابت کرتے کہ جو یُونانی لفظ انجیل جلیل میں اس مقام پر وارد ہُوا ہے ۔ اُس سے مُراد "نشہ آور پانی" ہے جس کا صحیح مفہوم اُردو زبان میں " لفظ "شراب" سے ہی ادا ہو سکتا ہے لیکن آپ نے ایسا کرنے کی بجائے مترجمین انجیل کے لفظ "مے" کا ترجمہ اُردو زبان میں لفظ "شراب" کر دیا ۔ تاکہ عوام الناس یہی سمجھیں کہ آنخداوند نے "نشہ آور پانی" بنایا ۔ اور پھر مولوی صاحب کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ اپنے ترجمہ کے لئے آپ نے کوئی دلیل بھی نہیں دی ۔ بلکہ از راہ تحکم اعتراض کہنے پر ہی کفایت کی پھر آپ اخبار اہل حدیث میں کہتے ہیں

"مسیح سے دو گناہ سرزد ہوئے۔ ایک شراب کی مجلس میں حاضر ہونا۔ اور دوسرا اپنی ماں کی تعظیم کرنے کی بجائے اس کو توہین آمیز لفظوں سے مخاطب کرنا" (۲۶ دسمبر ۱۹۴۱ء) آپ کے وہ مرید جو آپ کی ہر بات پر آمنا و صدقنا کہنے کو تیار رہیں۔ بغیر آپ کی بات کا جائزہ لئے آپ کے اعتراض کو سن کر خوش ہوں گے۔ لیکن جو اشخاص خداداد عقل سلیم کو استعمال کرنے کے عادی ہیں وہ آپ کو کہینگے ؎

نگفتہ ندارد کسے با تو کار ولے چوں بگفتی دلیلش بیار

(۴)

مولوی صاحب ہم آپ کو آپ کے ہی الفاظ میں کہتے ہیں "کیا اچھا ہوتا کہ آپ ان لفظوں کا ترجمہ کسی پادری سے پوچھ لیتے تو آپ سے یہ غلطی سرزد ہو کر موجب ندامت نہ ہوتی" (کتاب اسلام و مسیحیت صہ ۲۳) ؎

مجال سخن تا نہ بینی ز پیش بہ بے ہودہ گفتن مبر قدر خویش

واجب تو یہ تھا کہ آپ اعتراض کرنے سے پہلے یہ معلوم کر لیتے کہ جو یونانی لفظ یہاں استعمال ہوا ہے۔ وہ یونانی انجیل میں کس کس جگہ وارد ہوا ہے۔ اور ان مختلف مقامات کا مقابلہ کر کے آپ اس لفظ کا "اردو زبان" میں مفہوم متعین کر لیتے۔ اگر آپ یہ طرز عمل اختیار کرتے تو آپ کا رویہ علم تفسیر کے صحیح اصول کے مطابق درست اور جائز ہوتا لیکن دائرہ اسلام میں ایسے انسان ہم کو خال خال نظر آتے ہیں جو اپنے تعصبات سے بے نیاز ہو کر حق اور صداقت کی خاطر کانٹوں کا تاج پہننے کو تیار ہوں۔

اگر آپ یونانی سے ناواقف ہونے کے باعث اصل یونانی لفظ پر بحث کرنے کے قابل نہیں تھے تو کم از کم آپ یہودی دستوروں سے

واقف ہو سکتے تھے۔ آپ یہی معلوم کر لیتے کہ اہل یہود میں عام طور پر "شراب" پینے کا دستور تھا یا نہیں۔ اور بالخصوص شادی بیاہ کے موقعہ پر "شراب" کا استعمال ہوتا تھا یا نہیں اگر یہودی دستورات کو معلوم کرنے کے ذرائع آپ کے پاس نہیں تھے تو آپ کے ہاتھوں میں کم از کم کتاب مقدس تو تھی۔ آپ کو تو اس پر ہادی ہونے کا دعوےٰ بھی ہے (اسلام اور مسیحیت صفحہ ۳۸) آپ نے اسی کا مطالعہ کر کے یہودی رسوم اور دستورات سے واقفیت حاصل کر لی ہوتی۔

(۴)

یہودی کتب مقدسہ میں نو (۹) مختلف الفاظ ہیں۔ جن کا اردو ترجمہ میں کبھی "مے" کبھی "آب انگور" کبھی شراب" کبھی "انگور کا خالص رس" کبھی "تاک کا حاصل" کبھی "انگور کا شیرہ" وغیرہ کیا گیا ہے۔ اردو ترجمہ میں اس بات کا لحاظ نہیں رکھا گیا کہ ان نو لفظوں میں سے ہر لفظ کے لئے اردو میں ہر مقام پر ایک جداگانہ لفظ ہر وقت استعمال کیا جائے۔ عربی ترجمہ میں بھی یہ رعایت ملحوظ نہیں رکھی گئی۔ ذیل کی سطور میں اختصار کی خاطر ہم ان نو الفاظ میں سے صرف تین کا ذکر کرتے ہیں کیونکہ یہ الفاظ بالعموم کتاب مقدس میں وارد ہوئے ہیں:۔

(۱) اوّل۔ لفظ "یائین" ہے۔ جو عبرانی لفظ نہیں ہے۔ بلکہ کسی غیر عبرانی زبان سے لیا گیا ہے۔ یہ لفظ یہودی صحف سماوی میں سب سے زیادہ مستعمل ہوا ہے۔ اور عہد عتیق میں ۱۴۳ دفعہ وارد ہوا ہے۔ مثلاً پیدائش $\frac{۱۴}{۱۸}$ ۔ $\frac{۴۹}{۱۱-۱۲}$ ۔ قضاۃ $\frac{۹}{۱۳}$ ۔ زبور $\frac{۱۰۴}{۱۵}$ ۔ عاموس $\frac{۹}{۱۴}$ وغیرہ۔ عہد عتیق کے یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ میں اس لفظ یائین کا ترجمہ "OLVOS" اوینوس*

کیا گیا ہے اور اُردو ترجمہ میں عموماً لفظ "مے" اس کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ جس جس جگہ یہ لفظ مستعمل ہُوا ہے وہاں اس سے بالعموم مُراد وہ چیز ہے جو ادنےٰ اور اعلےٰ طبقہ کے سب یہودی کھانا کھاتے وقت روٹی کے بعد پیا کرتے تھے جس طرح اہل پنجاب کھانا کھاتے وقت روٹی کے بعد پانی یا چھاچھ وغیرہ پیتے ہیں (الوفا ۴۲ وغیرہ) یہی وجہ ہے کہ اس کا ذکر ۱۴۱ دفعہ صحفِ مقدسہ میں آیا ہے۔ ان متعدد مقامات کا بغور ملاحظہ کرنے سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ جس شے کا ذکر کیا گیا وہ "شراب" یعنی "نشہ آور پانی" نہیں ہے۔ جو ہر عقلمند کے نزدیک بہت بُری چیز ہے" (صا۹۱) چنانچہ زبور ۱۰۴ میں اس چیز کا خُدا کی دیگر نعمتوں میں شمار کیا گیا ہے۔ جس کے لئے خالق کا شکر مزمور نویس باین الفاظ کرتا ہے۔

"اے میری جان تُو خُدا کو مُبارک کہہ۔ وہ چوپایوں کے لئے گھاس اُگاتا ہے اور انسان کے کام کے لئے سبزہ تاکہ زمین سے خوراک پیدا کرے اور "مے" جو انسان کے دل کو خوش کرتی ہے۔ اور روغن جو اس کے چہرے کو چمکاتا ہے اور روٹی جو آدمی کے دل کو توانائی بخشتی ہے" (زبور ۱۰۴)

قانائے گلیل میں مُنجیٔ کونین نے جو شے اعجازی طور پر بنائی وہ یہی چیز تھی۔ چنانچہ آیۂ زیر بحث میں وہی یُونانی لفظ "اوئینوس" وارد ہُوا ہے جو یُونانی ترجمہ سپٹواجنٹ میں استعمال ہُوا ہے۔ اور جس کے لئے اُردو ترجمہ میں بالعموم لفظ "مے" مستعمل ہُوا ہے۔ پس مولوی صاحب کا اس لفظ کے لئے "اُردو زبان" کا لفظ "شراب" یعنی "نشہ آور پانی" استعمال کرنا آیۂ شریفہ پر ظلم کرنا اور کلمتہ اللہ کی توہین کرنا اور اپنے ناظرین کو راہِ حق سے گمراہ کرنا ہے۔

جن لوگوں کو علم جغرافیہ سے کچھ مس ہے وہ یہ جانتے ہیں۔ کہ

ارضِ مقدّس کنعان کی زمین اور آب و ہوا تاک اور انگور کی پیدائش اور فراوانی کے لئے نہایت موزوں ہے۔ قدرت نے اس کا عرض البلد اور اونچائی ایسی بنائی ہے کہ اس میں اعلیٰ ترین قسم کے انگور کی پیداوار ہوتی ہے۔ جس طرح پنجاب کے کھیتوں میں گیہوں کی پیداوار ہوتی ہے۔ اسی طرح ارضِ مقدّس کے کھیتوں میں انگور کی پیداوار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سرزمین میں انگور کی صنعت و حرفت قدیم ترین زمانہ سے چلی آئی ہے اور تیسری صدی مسیحی تک یہ ملک اس کے لئے دنیا بھر میں مشہور تھا۔ لیکن عرب کی فتوحات کے بعد اس صنعت کا خاتمہ ہو گیا۔ یہودی کتب مقدسہ سے پتہ چلتا ہے کہ کنعان میں تاکستان بکثرت تھے۔ اور انگوروں کی پیداوار نہایت افراط کے ساتھ ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو یہ کہنا منظور ہوتا کہ فلاں بادشاہ کا زمانہ امن اور صلح کا عہد تھا تو وہ کہتے کہ فلاں زمانہ میں اسرائیل کا ایک ایک آدمی اپنی اپنی تاک اور اپنی اپنی انجیر کے نیچے چین سے بیٹھتا تھا" (۱۔ سلا ۴/۲۵ - ۲ سلا ۱۸/۳۱ - یسعیاہ ۳۲/۱۰ - ۳۶/۱۶ - میکاہ ۴/۴ - زکر ۳/۱۰ وغیرہ) انگور اس قدر عام تھے کہ یہودی طبیب اس کو غرباء کے علاج کے لئے بطور دوا استعمال کرتے تھے (لوقا ۱۰/۳۴ - مرقس ۱۵/۲۳ - ۱ تمطا ۵/۲۳ وغیرہ) انگور کے فصل کے موقعہ پر خوشی کی جاتی (یسعیاہ ۱۶/۱۰)۔ نشیب کے اضلاع میں یہ وقت ماہ جولائی میں شروع ہو جاتا ہے لیکن لوگ ماہ جون میں ہی کچے اور ہرے انگوروں میں پانی اور چینی ملا کر ٹھنڈا شربت بنا کر پیتے لیکن اگست اور ستمبر میں انگور کی فصل ہر جگہ تیار ہو جاتی اور اس موقعہ پر لوگ اپنے اپنے "تاکستانوں کا پھل توڑتے۔ انگوروں کا رس نکالتے اور خوب خوشی مناتے"۔ (قضاۃ ۹/۲۷) یہ ان کی عید کا موقعہ ہوتا۔

جب وہ اُچھلتے کُودتے۔ گاتے بجاتے اور خوشی کر کے خُدا کا اس نعمتِ عظمیٰ کے لئے شُکر بجالاتے (قضاۃ $\frac{۹}{۱۳}$۔ زبور ۱۰۴: ۱۵ وغیرہ) ؎

اِیوانِ نعمتے کہ نشاید سپاس گفت اسبابِ راحتے کہ نشاید شمار کرد

انگور ایسی عام شے تھی کہ یہودی صحفِ سماوی میں اس کو تشبیہ اور استعارہ کے طور پر کثیر التعداد مقامات میں استعمال کیا گیا ہے تاکہ عوام الناس الٰہی پیغاموں کو کماحقہٗ سمجھ سکیں۔ مثلاً اسرائیل کو تاک اور انگور کے ساتھ متعدد مقامات میں تشبیہ دی گئی ہے۔ (زبور ۸۰: ۸۔ ۹۔ یسعیاہ ۵: ۱ ہوسیع ۱۰: ۱ وغیرہ) خود منجیٔ عالمین نے اپنے آپ کو انگور سے تشبیہ دی اور شاگردوں سے فرمایا "انگور کا حقیقی درخت میں ہوں میرا باپ باغبان ہے۔ تم ڈالیاں ہو"۔ (یوحنا ۱۵ باب) جب قومِ اسرائیل خُدا سے برگشتہ ہوتی تو انبیاءؑ اس کو "جنگلی انگور" سے مشابہت دیتے۔ (یرمیاہ $\frac{۲}{۲۱}$ یسعیاہ $\frac{۵}{۲}$ وغیرہ) اسرائیل کے دُشمن "تاکِ سدوم" کہلاتے تھے (استثنا ۳۲: ۳۲) یعنی ایسے انگور جن کے پھل اور رس میں سدوم کی خرابی کی سی بدبو آتی ہو۔

انگور کے استعمال کے چار طریقے تھے۔ عام طریقۂ استعمال یہ تھا کہ انگور کو کھایا جاتا اور اس کے رس کو کھانے کے وقت روٹی کے ساتھ پیا جاتا تھا۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ انگور کو خشک کر لیا جاتا اور اس کو بطور میوہ منقیٰ استعمال کیا جاتا۔ تیسرا طریقہ یہ تھا کہ انگور کو کولہو میں دبا کر اس کا رس نکالا جاتا اور لوگ اس کا شربتِ انگور بناتے یا اس کا شیرہ نکالتے جو شہد کی مانند ہوتا تھا۔ چوتھا طریقہ یہ تھا۔ کہ خمیر اُٹھا کر اس کی شراب بنائی جاتی۔

(۲) دوم - عہدِ عتیق کی کتب میں ایک اور لفظ "تیروش" ۳۸ دفعہ استعمال ہوا ہے۔ جس کا مفہوم یونانی ترجمہ میں لفظ "میتھیوسما" اور اُردو ترجمہ میں "نئی مے" ہے - اس کا عبرانی نام ہی ظاہر کرتا ہے - کہ یہ شئے دماغ پر قبضہ کر لیتی ہے اور نشہ آور ہے - یہ لفظ بطورِ فعل "میتھیوسن تھوسن" انجیل یوحنا باب دوم میں مقام زیرِ بحث کی دسویں آیت میں میرِ مجلس کے قول میں آیا ہے - جہاں اُردو ترجمہ میں اس فعل کا ترجمہ "پی کر چھک گئے" کیا گیا ہے - یہ اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ وہ چیز جو عبرانی متن میں "یا ئیین" اور یونانی متن میں "اوینوس" کہلاتی ہے اور جس کو آنخداوند نے اعجاز سے بنایا تھا اُس شئے سے مختلف ہے جو عبرانی میں "تیروش" اور یونانی میں "میتھیوسما" کہلاتی ہے جس کو پی کر لوگ "چھک" جاتے ہیں - انجیل جلیل میں جہاں کہیں نشہ بازی کی ممانعت آئی ہے اور جہاں یہ حکم دینا مقصود ہے کہ نشہ بازی اور شراب سے متوالے نہ ہو - وہاں یہ لفظ اسم اور فعل دونوں شکلوں میں استعمال کیا گیا ہے (روم ۱۳: ۱۳ و ۱ کر ۵: ۱۱ و ۶: ۱۰ - گلتی ۵: ۲۱ - افسی ۵: ۱۸ وغیرہ) جس سے ظاہر ہے کہ یونانی زبانِ انجیل (اور اُردو ترجمہ میں بھی) دونوں قسم کی چیزوں میں یعنی اوینوس اور میتھیوسما میں تمیز کی گئی ہے - جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ شئے "اوینوس" جو آنخداوند نے اعجازی طاقت سے بنائی اُس شئے سے الگ اور جدا ہے جو نشہ آور ہے اور متوالا بنا دیتی ہے۔

(۳) سوئم - تیسرا لفظ جو عبرانی کتب مقدسہ میں آیا ہے - وہ سکر ہے جس کو یونانی سپٹواجنٹ میں (سیکیرا) لکھا گیا ہے۔

اُردو بائبل میں اُس کا ترجمہ کبھی "نشہ" اور کبھی "شراب" کیا گیا ہے۔ یہ لفظ عبرانی عہدِ عتیق میں ۲۳ مرتبہ آیا ہے۔ مثلاً استثنا ۱۴: ۲۶۔ یسعیاہ ۲۴: ۹۔ ۵۶: ۱۲۔ زبور ۶۹: ۱۲ وغیرہ۔ مرحوم ڈاکٹر لائٹ فٹ کہتے ہیں کہ یروشلم کی دولتمند عورتیں یہ شے اُن مجرموں کو پلایا کرتی تھیں جن کو تختۂ دار پر لٹکنا ہوتا تھا تاکہ وہ درد کو محسوس نہ کریں (امثال ۳۱: ۶)۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً کھجور کی شراب کو بھی "سکر" کہتے تھے۔

مولوی ثناءاللہ صاحب نے اپنے اعتراض میں لفظ "شراب" کو استعمال کر کے گویا یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ آنخداوند نے قانائے گلیل میں جس شے کو پانی میں تبدیل کیا تھا وہ "سکر" تھی۔ لیکن آیۂ زیرِ بحث میں جو یونانی لفظ استعمال ہوا ہے وہ "سکیرا" نہیں ہے بلکہ "اُدینوس" ہے انجیل جلیل میں ان دونوں لفظوں میں تمیز کی گئی ہے۔ چنانچہ لوقا کی انجیل میں حضرت یوحنا بپتسمہ دینے والے کی نسبت آیا ہے کہ وہ "اُدینوس" نہ اور نہ سکیرا (شراب) کبھی پئے گا"۔ (۱: ۱۵)۔ عربی ترجمہ میں بھی اس جگہ آیا ہے "لا یشرب خمرا ولا مسکراً"۔ پس یہاں نہ صرف اصل یونانی میں بلکہ اُردو اور عربی تراجم میں بھی دونوں الفاظ دیئے گئے ہیں۔ اور ان میں تمیز کی گئی ہے۔ مولوی صاحب کا اعتراض ظاہر کرتا ہے کہ آپ نہ صرف زبان یونانی سے بیگانہ ہیں بلکہ عربی چھوڑ اُردو ترجمہ تک کا مطالعہ کرنے کی تکلیف گوارا نہیں فرماتے۔

پس کتاب مقدس کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ جو شے کلمتہ اللہ نے مسیحائی اعجاز سے بنائی وہ اچھے سے اچھے آبِ انگور سے بھی اعلےٰ تھی (۲: ۱۰)، جس میں "نشہ" کا نام و نشان تک نہ تھا۔ قرآن سے پتہ چلتا

ہے کہ حضرت رُوح اللہ نے حواریوں کو نزولِ مائدہ میں آسمانی خوراک کھلائی اس معجزہ میں آپ نے شادی کے مہمانوں کو آسمانی شراباً طہوراً پلائی بیضاء لذۃ للشاربین۔ لا فیھا غول ولا ھم عنھا ینزفون یعنی سفید مزہ دینے والی جو پینے والوں کو لذیذ معلوم ہوگی۔ نہ اُس سے سر گھومیگا اور نہ اُس کی وجہ سے بیہودہ بکیں گے (صافات ۴۲-۴۴) ایسی چیز جس کی بابت قرآن کہتا ہے۔ وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون یعنی واجب ہے کہ رغبت کرنے والے ایسی ہی چیز کی رغبت کیا کریں (التطفیف آیت ۲۵) آنخداوند نے زمینیوں کو آسمانیوں کا کھانا پینا اسی دُنیا میں چکھا دیا۔ ان فی ذالک لاٰیۃً لقوم یعقلون پس یہ بے شک نشانی ہے اس قوم کے واسطے جو عقل رکھتے ہیں (نحل ۶۹)۔

حلت و حرمت کا سوال بفرضِ محال ہم چند منٹوں کے لئے یہ مان لیتے ہیں کہ جو شے تبدیل ہوئی تھی وہ بقول مولوی صاحب "شراب" یعنی نشہ آور پانی تھا مولوی صاحب نے نہایت بے باکی سے ابن اللہ پر فتویٰ صادر کر دیا کہ "مسیح سے دو گناہ سرزد ہوئے۔ ایک شراب کی مجلس میں حاضر ہونا" لیکن ہم اُن سے یہ سوال کرتے ہیں۔ کیا کوئی شے از رُوئے شریعت حرام ہو سکتی ہے تاوقتیکہ اللہ نے اُس کو شرعی طور پر حرام نہ کیا ہو؟ پس آپ کا فرض تھا کہ اپنا ناپاک فتویٰ صادر کرنے سے پہلے آپ یہودی کُتبِ مقدسہ سے ثابت کرتے کہ جو شے کلمتہ اللہ نے بنائی وہ حرام تھی اور اُس کے بنانے میں آپ نے مُوسوی شریعت کا عدول کیا۔ لیکن آپ نے یہ محققانہ رویہ اختیار نہ کیا کیونکہ آپ یہودی کُتبِ مقدسہ کے کسی ایک لفظ سے بھی اپنا دعویٰ ثابت نہیں کر سکتے تھے۔

بالفرض محال آپ توراۃ شریف اور صحائف انبیاء سے یہ ثابت کر بھی دیتے کہ کلمتہ اللہ نے ایک حرام شے کو بنایا تو آپ قرآن کو کیا جواب دیتے جس میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح صاحب کتاب تھے؟ پس صاحب شریعت اور شارع ہونے کی حیثیت سے آپ موسوی شریعت کے ماتحت نہ تھے کیونکہ قرآن کے مطابق آپ نے اہل یہود سے کہا ومصدقاً لما بین یدی من التوراۃ ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم یعنی میں توراۃ کی جو مجھ سے پہلے ہے تصدیق کرتا ہوں اور بعض اشیاء جو تم پر حرام تھیں اُن کو حلال کرتا ہوں (سورہ عمران آیت ۴۴)

(۲)

مولوی صاحب قرآن اور تاریخ اسلام سے واقف ہیں اُن کو یہ علم ہوگا۔ کہ "شراب" حضرت محمد کی زندگی کے آخری زمانہ یعنی ۴ھ میں حرام ہوئی۔ اس سے پہلے قرآن "نشہ آور پانی" کی تعریف میں رطب اللسان ہو کر اس کو "عمدہ کھانے کی چیز" بتلاتا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ ومن الثمرات النخیل والاعناب تتخذون منہ سکرا ورزقاً حسناً یعنی کھجوروں کے میووں اور انگوروں کے پھلوں سے تم لوگ نشہ کی چیز اور عمدہ کھانے کی چیزیں بناتے ہو (نحل ۶۹) قرآن اسی "سکر" کو "رزقاً حسناً" کہتا ہے جو کتب مقدسہ میں (جیسا سطور بالا میں ذکر ہو چکا ہے)۔ حرام تھی۔ قرآن اسی پر قناعت نہیں کرتا بلکہ اس "نشہ کی چیز" کو "عقل والوں کے لئے ایک نشانی" قرار دے کر کہتا ہے ان فی ذالک لایۃ لقوم یعقلون یعنی یہ بے شک نشانی ہے۔ اس قوم کے واسطے جو کہ عقل رکھتے ہیں (نحل ۶۹) دیکھئے قرآن اس زمانہ میں "نشہ آور پانی" کو عقلمندوں کے لئے ایک "نشانی" قرار دیتا ہے لیکن آپ

کا فتویٰ یہ ہے کہ "نشہ آور پانی ہر عقلمند کے نزدیک بہت بُری چیز ہے" اص ۹۱
اسلامی تاریخ میں یہ وہ زمانہ تھا۔ جب آنحضرت کے جلیل القدر
صحابہ نہ صرف "شراب" پیتے بلکہ بڑی بے اعتدالی کے ساتھ پیتے تھے۔ چنانچہ
مولانا اشرف علی تھانوی سورہ نسا کی آیت ۴۲ کے فائدے میں لکھتے ہیں "حضرت
عبدالرحمان بن عوف نے چند آدمیوں کی دعوت کی جن میں بہت سے صحابہؓ بھی شامل
تھے۔ کھانے کے بعد شراب پلائی گئی جو اُس وقت حلال تھی۔ نشہ کی حالت میں
اذان کی آواز کان میں پڑی تو ایک صحابی امام بنے اور نماز شروع ہوئی۔ انھوں
نے پہلی رکعت میں قل یاایھا کفرون پڑھی اور سب جگہ حرف لا کو حذف
کر دیا۔ جو توحید کے بھی خلاف تھا۔ اس وقت یہ آیت اُتری اور مسلمانوں
نے نماز کے قریبی وقت میں شراب پینی موقوف کر دی" (ترجمہ قرآن بدون ترجمہ
صت ۱۲۲ حاشیہ) پس جب جلیل القدر صحابہ شراب پی کر نماز میں بہکنے لگے
تو حکم ہوا۔ یاایھا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ
تعلموا ما تقولون۔ یعنی اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ جب تم نشہ میں ہو تو نماز
کے پاس نہ جاؤ۔ یہاں تک کہ سمجھنے لگو کہ کیا کہتے ہو (نسا آیت ۴۲) جب یہ قرآنی
حکم آیا تو لوگ نماز کے وقت شراب نہ پیتے لیکن اُس زمانہ میں بھی شراب اور
جُوا بازی حلال تھی۔ چنانچہ قرآن میں آیا ہے۔ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ
قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا یعنی
اے محمد تجھ سے لوگ شراب اور جُوئے کی نسبت سوال کرتے ہیں۔ تو کہہ کہ ان
دونوں کے استعمال میں جہاں گناہ کی بڑی بڑی باتیں ہیں وہاں لوگوں کو بعض
فائدے بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ لیکن گناہ کی باتیں اُن فائدوں سے زیادہ
بڑھی ہوئی ہیں" (بقرہ ۲۱۶) لیکن اس قسم کے مبہم الفاظ سے لوگ مذبذب تھے

رہے ۔ چنانچہ حافظ نذیر احمد دہلوی مرحوم لکھتے ہیں کہ "حضرت عمر جیسے جلیل القدر صحابی کو بھی ایک مدت تک خدشہ رہا اور دعا کرتے تھے کہ اے خدا شراب کے بارے میں ہم کو کوئی صاف حکم ملے" ۔ (ترجمہ قرآن) مشارق الانوار میں ہے کہ "جب قرآن میں اس مضمون کی آیت اتری کہ مستی میں نماز مت پڑھو اور شراب میں لوگوں کے فائدے بھی ہیں اور گناہ بھی تو لوگ شراب پیتے تھے اور نماز کے وقت ترک کر دیتے تھے" حضرت اِس پہ جانے یہ سمجھے کہ عنقریب شراب حرام ہوا چاہتی ہے ۔ تب یہ حدیث فرمائی ۔ جو مسلم میں ابوسعید سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا ۔ اے لوگو البتہ خدا ابھی اشارے کر رہا ہے شراب میں ۔ اور شاید کہ آگے اتاریگا اس میں کچھ حکم یعنی کھول کر حرام کر دیگا ۔ پس جس کے پاس شراب سے کچھ ہو تو چاہیئے کہ اس کو بیچ ڈالے اور اس سے فائدہ اٹھالیوے ۔ ابوسعید سے روایت ہے کہ حضرت کے فرمانے کے بعد تھوڑے دن گزرے کہ قرآن میں شراب کی صاف حرمت بیان ہوگئی" (صفحہ ۲۳۱ [?]) یعنی یہ آیت نازل ہوئی یاایہا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن ۔ اے ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب ناپاک باتیں شیطانی کام ہیں (مائدہ ۹۲) ابوسعید سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی حضرت نے فرمایا اب جس کے پاس شراب ہو وہ نہ تو پیئے اور نہ بیچے بلکہ ڈھلکا دیوے ۔ سو اسی دن حکم سنتے ہی صحابہ نے برتن توڑ ڈالے اور شراب بہا دی ۔ ایسا کہ تمام مدینہ میں کیچڑ ہو گئی (مشارق الانوار صفحہ ۱۴۲ [?]) پس آنحضرت کی وفات سے صرف سات سال پہلے سنہ ۴ھ [?] میں جب آپ کی عمر چھپن (۵۶) سال کی تھی شراب حرام اور ممنوع ہوئی ۔

(۳)

لیکن یہ قرآنی حکم بھی مسلمانوں کے لئے ہی واجب الاطاعت تھا اِس کا اطلاق نہ تو یہودیوں اور نہ عیسائیوں پر ہو سکتا تھا۔ بس ہم مولوی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ بفرضِ محال جو شے حضرت کلمۃ اللہ نے بنائی وہ "شراب" اور "نشہ آور پانی" تھا۔ آپ کس اختیار سے ایک ایسے حکم کا اطلاق (جو آنخداوند سے سوا چھ سو سال بعد اور وہ بھی اہل عرب کے لئے آیا ہو) آنخداوند پر کر کے اُن کو موردِ الزام گردان سکتے ہیں؟ کیا آپ کی یہ مجال ہے کہ آپ ان جید صحابہ کو مجرم گردانیں جو اس کثرت سے شراب پیتے تھے کہ "اُن کے برتن توڑنے سے تمام مدینہ میں کیچڑ ہو گئی"۔ اور جو نماز میں بہک کر ایسی باتیں کہہ جاتے تھے جو "توحید کے بھی خلاف" ہوتیں؟ آپ ان کو بری الذمہ قرار دیں گے کیونکہ اُن کے افعال شرعی حکم سے ذرا پہلے کے تھے۔ لیکن اب دو ہزار سال کے بعد امرت سر کے دارالفتاء سے مولوی ثناء اللہ صاحب ایک ایسے شخص پر فتویٰ صادر کر کے اُس کو موردِ الزام گردانتے ہیں جو اِس شرعی حکم سے ساڑھے چھ صدیاں قبل دُنیا میں پیدا ہوئے تھے۔ اور جن پر صاحبِ شریعت ہونے کی وجہ سے یہ شرعی حکم عائد بھی نہیں ہو سکتا۔ ع جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے۔

(۴)

امرت سر کے یہ مفتی صاحب "نہ تو قرآن کو اُس تعمق اور تدبر سے پڑھتے ہیں جس کا وہ حقدار ہے" (صفحہ ۱۴۹) اور نہ وہ کما حقہٗ حدیثوں سے واقف ہیں۔ اگر آپ بخاری شریف کو ہی جانتے جو قرآن کے بعد اصح الکتب شمار کی جاتی ہے تو آپ پر یہ ظاہر ہو جاتا کہ اسلام میں "انگوری شراب" حرام

نہیں ہے۔ چنانچہ بخاری میں ہے کہ "عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ جب شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی۔ اس وقت پانچ قسم کی شرابیں تھیں جن میں شرابِ انگوری نہ تھی" (بخاری جلد دوم صفحہ ۲۸۶ مترجمہ مرزا حیرت دہلوی مطبوعہ کرزن پریس دہلی ۱۳۲۳ھ)

تو بہ اوجِ فلک چہ دانی چیست
کہ ندانی کہ در سرائے تو کیست؟

اس حدیث سے تو آپ کا رہا سہا آخری سہارا بھی گر گیا۔ ہم نے سطور بالا میں ثابت کر دیا ہے کہ جو شئے حضرت کلمتہ اللہ نے بنائی وہ "اوینوس" یعنی انگور کا رس تھا۔ لیکن بفرض محال اگر آپ کے دعویٰ کو ایک لمحہ کے لئے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ شئے انگوری "شراب" تھی تو آپ کس موسوی یا عیسوی یا اسلامی حکم کے ماتحت حضرت کلمتہ اللہ کو مجرم گردان سکتے ہیں؟

جب مولوی صاحب مولوی ہو کر قرآن کی حقیقت اور حدیث کے علم سے اس قدر بیگانہ ہیں[1] تو ہم کس طرح ان سے یہ امید رکھ سکتے ہیں کہ وہ کتاب مقدس کا "تدبر اور غور" سے مطالعہ کرینگے؟

ع تو بیرونِ در چہ کر دی کہ درونِ خانہ آئی

(۵)

اگر مولوی صاحب نے کبھی تورات اور زبور کا مطالعہ کیا ہوتا تو ان پر یہ واضح ہو جاتا کہ "اوینوس" جس کا ترجمہ اُردو انجیل میں مے کیا گیا ہے اور جو آنخداوند نے اعجازی طور پر بنائی۔ وہ ایک ایسی شئے تھی جس کو خدا کی نعمتوں

---

[1] پس ہم مولوی صاحب کی توجہ کتاب ہفوات المسلمین کے صفحہ ۴۵ اور کتاب تاویب الجاہلین حصہ اول صفحہ ۳۲ و صفحہ ۵۵ و ۵۶ و ۵۸ تا ۴۸ و ۷۰ و ۷۴ کی مندرجہ حدیثوں کی طرف مبذول کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ عاقل را اشارہ کافی است (برکت اللہ)

ہیں شمار کیا جاتا تھا (زبور ۱۰۴: ۱۵ وغیرہ) موسوی شریعت کے حکم کے مطابق
انگور کا رس نہ صرف روزانہ قربانی کے ساتھ خدا کے حضور نذر گذرانا جاتا تھا
(خروج ۲۹/۴۰) بلکہ دیگر قربانیوں اور نیاوتوں کے ساتھ بھی چڑھایا جاتا تھا (گنتی
۱۵: ۵+۲۸: ۷ و ۱۴ وغیرہ) اور جس طرح اناج اور تیل اور پہلے پھلوں اور دیگر
پیداوار کی دہ یکی شریعت کے حکم کے مطابق دی جاتی تھی۔ اسی طرح "نئے کولھو
کے رس" کی دہ یکی دینے کا بھی موسوی شریعت میں حکم تھا (خروج ۲۲: ۲۹:
استثنا ۱۸: ۴۔ گنتی ۱۸: ۱۲-۲۔ توا ۳۱: ۵۔ نحمیاہ ۱۳: ۱۲+۱۰: ۳۸-۳۹)
پس یہ شے پاک۔ طیب اور رزقاً حسناً میں شمار کی جاتی تھی لیکن "شراب"
یعنی "نشہ آور پانی" ممنوع تھا۔ (احبار ۱۰: ۹۔ یسعیاہ ۵: ۱۱ و ۲۲+۲۸:
۷۔ ہوسیع ۴: ۱۱۔ امثال ۲۰: ۱ و ۲۳: ۲۹-۳۲ و ۳۱: ۴ وغیرہ۔)

(۴)

اگر معترض نے انجیل جلیل کا سطحی مطالعہ بھی کیا ہوتا تو اُس پر واضح
ہو جاتا کہ اہل یہود حلال اور حرام کے سوال کے متعلق نہ صرف تورات شریف
کے احکام پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ بلکہ اپنے فقہا کی تقلید اور ربیوں کی تعلیم
کی پیروی کر کے حلت و حرمت کے معاملہ میں نہایت غلو سے کام لیتے تھے اسی
وجہ سے فریسی اور اہلِ فقہ کلمتہ اللہ کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ کیونکہ
آپ کی غائر نظر ظاہری اور رسمی ناپاکی پر نہیں بلکہ اندرونی باطنی اور روحانی
ناپاکی پر تھی۔ چنانچہ لکھا ہے "فریسی اور سب یہودی بزرگوں کی روایات
پر قائم رہنے کے سبب جب تک غسل نہ کر لیں نہیں کھاتے تھے" مبادا
وہ کسی حرام شے یا ناپاک شخص کو چھو گئے ہوں "اور بہت سی اور باتیں جو قائم
رکھنے کے لئے بزرگوں سے اُن کو ملیں۔ مثلاً پیالوں اور لوٹوں اور تانبے کے

کے برتنوں کو دھونا" وغیرہ پر نہایت سختی سے عملدرآمد کرتے تھے (مر ۲: ۳-۵)۔ حضرت کلمتہ اللہ اس قسم کی تقلید کرنے والوں کو ملامت کر کے فرماتے "اے فریسیو۔ تم پیالے اور رکابی کو اوپر سے تو صاف کرتے ہو۔ لیکن تمہارے اندر بدی اور لوٹ بھری ہے۔ اے نادانو۔ جس نے باہر کو بنایا کیا اس نے اندر کو نہیں بنایا؟ پہلے باطن کی چیزوں کو صاف کرو۔ تو دیکھو سب کچھ تمہارے لئے پاک ہوگا" (لوقا ۱۱: ۳۹-۴۱) پھر فرمایا "اے فریسیو اور فقیہو۔ تم اپنے بزرگوں اور اماموں کی روایات کو قائم رکھنے میں اس قدر مبالغہ سے کام لیتے ہو کہ خدا کے کلام کو باطل کر دینے میں تم کو ذرا تامل نہیں ہوتا۔ یسعیاہ نبی نے تمہارے حق میں کیا خوب نبوت کی ہے کہ یہ امت ہونٹوں سے تو میری عزت کرتی ہے لیکن ان کا دل مجھ سے دور ہے۔ اور یہ بے فائدہ میری پرستش کرتے ہیں۔ کیونکہ انسانی احکام کی تعلیم دیتے ہیں"۔ یہ فرما کر کلمتہ اللہ نے عوام کو پاس بلا کر ان سے کہا کہ "سنو اور سمجھو جو چیز منہ میں جاتی ہے وہ انسان کو ناپاک نہیں کرتی بلکہ جو منہ سے نکلتی ہے وہی آدمی کو ناپاک کرتی ہے۔ کیونکہ جو کچھ منہ میں جاتا ہے وہ پیٹ میں پڑتا ہے اور مزبلہ میں پھینکا جاتا ہے۔ مگر جو باتیں منہ سے نکلتی ہیں وہ دل سے نکلتی ہیں اور وہی انسان کو ناپاک بھی کرتی ہیں۔ مثلاً برے خیال۔ خونریزیاں۔ زناکاریاں۔ حرامکاریاں۔ چوریاں۔ جھوٹی گواہیاں۔ لالچ۔ بدیاں۔ مکر۔ شہوت پرستی۔ بدنظری۔ بدگوئی۔ شیخی وغیرہ دل ہی سے نکلتی ہیں جو آدمی کو ناپاک کرتی ہیں"۔ (متی ۱۵ باب مرقس ۷ باب)۔ انجیل نویس مذکورہ بالا واقعہ کو لکھ کر کہتا ہے۔ "یہ فرما کر اس نے تمام کھانے کی چیزوں کو پاک ٹھہرایا" (مر ۷: ۱۹)۔

فریسی بھی آنخداوند کے اقوال سے یہی سمجھے اور وہ بگڑ گئے۔ چنانچہ حواریوں نے آنخداوند سے کہا "کیا آپ کو معلوم ہے کہ فریسیوں نے آپ کی بات سن کر ٹھوکر کھائی ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ "جو پودا میرے آسمانی باپ نے نہیں لگایا وہ جڑ سے اکھاڑا جائیگا۔ اُن فریسیوں کو جانے دو۔ وہ اندھے راہنما ہیں۔ اگر اندھے کو اندھا راہ بتائیگا تو وہ دونوں گڑھے میں گر پڑیں گے"۔ (متی ۱۵: ۱۲-۱۴) کلمتہ اللہ کا مطلب یہ تھا کہ فی نفسہٖ کھانے پینے کی چیزیں حلال اور حرام یا پاک اور ناپاک نہیں۔ بیرونی پاکیزگی اور باطنی پاکیزگی دو الگ اور جُدا گانہ چیزیں ہیں۔ اور ظاہری پاکیزگی کا تعلق رُوحانی پاکی کے ساتھ نہیں۔ یہ لازم نہیں آتا کہ اگر کوئی شخص حلال اشیاء ہی کھاتا ہے تو وہ باطن میں بھی نیک ہو۔ حرام شے کا کھانا اور بدی کے کام کرنا لازم و ملزوم نہیں۔ یہ درحقیقت قرآنی آیۂ کی اصلی انجیلی تفسیر ہے جس میں حضرت عیسیٰ اہل یہود کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ یعنی میں تورات کی جو مجھ سے پہلے ہے تصدیق کرتا ہوں اور بعض اشیاء جو تم پر حرام تھیں اُن کو حلال کرتا ہوں اور تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشان لے کر آیا ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو۔ (عمران ۴۰)

حضرت کلمتہ اللہ کے اصول پر عمل کر کے آپ کے رسولوں اور حواریوں نے بھی تعلیم دی "مجھے یقین ہے کہ کوئی چیز بذاتہٖ حرام نہیں۔۔۔۔۔ خدا کی بادشاہی کھانے پینے پر موقوف نہیں بلکہ راستبازی۔ محبت۔ اتفاق اور اُس خوشی پر موقوف ہے۔ جو رُوح القدس کی طرف سے ہوتی

ہے اور جو کوئی اس طور سے مسیح کی خدمت کرتا ہے۔ وہ خُدا کا پسندیدہ اور آدمیوں کا مقبول ہے" (رومیوں ۱۴: ۱۴-۱۸) "خُدا کی پیدا کی ہوئی ہر چیز اچھی ہے اور کوئی چیز انکار کے لائق نہیں بشرطیکہ شکرگزاری کے ساتھ کھائی جائے۔ اس لئے کہ خُدا کے کلام اور دُعا سے پاک ہو جاتی ہے۔" (۱ تمطاؤس ۴: ۴) مقدس پولوس نے اس حلت و حُرمت کے اصول کو بھی کلمتہ اللہ کے عالمگیر اور جامع اصول یعنی محبت کے اصول کے ماتحت کر کے ارشاد فرمایا۔ "آپس کی محبت کے سوا کسی چیز میں کسی کے قرضدار نہ ہو۔ کیونکہ جو دوسرے سے محبت رکھتا ہے اُس نے شریعت پر پورا عمل کیا۔ کیونکہ تمام شرعی احکام کا خلاصہ اس بات میں پایا جاتا ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ۔ محبت شریعت کی تکمیل ہے۔ مجھے معلوم ہے بلکہ خُداوند یسوع میں مجھے یقین ہے کہ کوئی چیز بذاتہ حرام نہیں لیکن جو اس کو حرام سمجھتا ہے اُس کے لئے حرام ہے۔ اگر تیرے بھائی کو تیرے کھانے سے رنج پہنچتا ہے تو پھر تو محبت کے قاعدے پر نہیں چلتا۔ کھانے کی خاطر خُدا کے کام کو مت بگاڑ۔ ہر چیز پاک تو ہے مگر اُس آدمی کے لئے بُری ہے جس کو اُس کے کھانے سے ٹھوکر لگتی ہے۔ مُبارک وہ ہے جو اس چیز کے سبب سے جس کو وہ جائز رکھتا ہے اپنے آپ کو ملزم نہیں ٹھہراتا" (رومیوں ۱۳ و ۱۴ باب)

پس انجیل جلیل کے اصول کے مطابق انگور کا رس مے سکر شراب وغیرہ فی نفسہ حرام نہیں۔ کسی شے کا حلال یا حرام ہونا اُس کے استعمال پر موقوف ہے یعنی اس بات پر کہ اُس کے استعمال سے استعمال کرنے والے کی اپنی یا کسی دوسرے کی رُوحانی پاکیزگی اور باطنی نشوونما پر اثر پڑے اور کسی دوسرے شخص کو اُس کے استعمال سے نہ ٹھوکر لگے اور نہ رنج

پہنچے۔ اِس اصُول کے ماتحت اگر انگور کا رس یا مے یا سکر یا شراب یا نشہ آور پانی پینے سے کوئی شخص بہکی باتیں کرتا ہے یا متوالا ہو جاتا ہے تو وہ دوسروں کے لئے ٹھوکر کا باعث ہو جاتا ہے ؎

مے کہ بدنام کند اہلِ خرد را ۔ غلط است
بلکہ خود مے شود از صحبتِ نادان بدنام

(۷)

انجیل جلیل میں شراب نوشی اور مے خواری نشہ بازی وغیرہ کو پینے والوں کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے ممنوع قرار دیا گیا ہے (۱۔پطرس ۴: ۳) کیونکہ اگر اِس کا استعمال حدِ اعتدال سے تجاوز کر جائے تو باطن کی پاکیزگی پر اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ کلمتہ اللہ نے فرمایا ہے "پس خبردار رہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے دل خمار اور نشہ بازی سے سُست ہو جائیں" (لوقا ۲۱: ۳۴) اور مقدس پولُس بھی فرماتا ہے کہ "ہم تاریکی کے کاموں کو چھوڑ کر روشنی کے ہتھیار باندھ لیں۔ جیسا دن کو شایاں ہے شائستگی سے چلیں۔ نہ کہ ناچ رنگ اور نشہ بازی سے نہ زناکاری اور شہوت پرستی سے اور نہ جھگڑے اور حسد سے بلکہ خداوند یسوع مسیح کو پہن لو اور جسم کی خواہشوں کے لئے تدبیریں نہ کرو" (رومیوں ۱۳: ۱۲-۱۴) پھر پُرزور الفاظ میں ارشاد ہوتا ہے "کیا تم نہیں جانتے کہ بدکار خُدا کی بادشاہی کے وارث نہ ہوں گے۔ فریب نہ کھاؤ۔ نہ حرامکار خُدا کی بادشاہی کے وارث ہوں گے۔ نہ بت پرست نہ زناکار۔ نہ عیاش۔ نہ لونڈے باز۔ نہ چور نہ لالچی۔ نہ شرابی نہ گالیاں بکنے والے۔ نہ ظالم" (۱۔کر ۶: ۹) پھر تاکید اکید کرکے فرماتا ہے "میں یہ کہتا ہوں کہ رُوح کے موافق چلو تو جسم کی خواہش کو پُورا نہ کرسکو گے۔ جسم کے کام ظاہر ہیں یعنی حرامکاری۔

ناپاکی۔ شہوت پرستی۔ بُت پرستی۔ جادوگری۔ عداوتیں۔ جھگڑا۔ حسد۔ غصہ۔ تفرقے۔ جدائیاں۔ بدعتیں۔ بغض۔ نشہ بازی۔ ناچ رنگ وغیرہ۔ جو مسیح یسُوع کے ہیں اُنہوں نے جسم کو اس کی رغبتوں اور خواہشوں سمیت صلیب پر کھینچ دیا ہے" (گلتی ۵: ۱۹ تا ۲۴) رسُول مقبول شراب نوشی اور نشہ بازی کی ممانعت پر اس قدر اصرار کرتا ہے کہ وہ فرماتا ہے کہ شریر شرابی کو برادری سے خارج کر دیا جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے "اگر کوئی بھائی کہلا کر حرام کار یا لالچی یا شرابی یا ظالم ہو تو اُس سے صحبت نہ رکھو۔ بلکہ ایسے کے ساتھ کھانا تک نہ کھانا" (۱۔ کرنتھی ۵: ۱۱۔ ۱۳) لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انجیل جلیل میں نہ خود کلمتہ اللہ نے اور نہ آپ کے رسُولوں نے انگور کے رس کو فی نفسہ حرام قرار دیا۔ چنانچہ مقدس پولُس کا ایک مبلغ تمطاؤس عین عالم شباب میں (اتمطا ۴: ۱۲) جسمانی ریاضت کی وجہ سے سخت نحیف اور لاغر ہو گیا تھا (۴: ۸) اُس کو رسُول مقبول نے حکم لکھ بھیجا کہ "آئندہ کو صرف پانی ہی نہ پیا کر بلکہ اپنے معدہ اور اکثر کمزور رہنے کی وجہ سے ذرا سا انگور کا رس بھی کام میں لایا کر" (۵: ۲۳)۔

ہم نے دیدہ دانستہ اس مضمون کو طول دیا ہے۔ تاکہ معترضین اس بحث کے مختلف پہلوؤں سے بخوبی واقف ہو کر ہوائی اعتراض کرنے سے محترز رہیں۔ اس قسم کے اعتراض کر کے وہ مسیحیت کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ ہاں وہ اللہ اور اُس کے رسُول پر جو اُس کا کلمہ اور رُوح ہے بہتان لگا کر عملی طور پر قرآن و اسلام کے اصُولوں کا انکار کرتے ہیں جس کی مولوی صاحب کی کتاب ایک جیتی جاگتی زندہ گواہ ہے۔

ہم نے اتمامِ حجت کی خاطر حضرت کلمتہ اللہ کے کلماتِ طیبات اور انجیل جلیل کی آیات کی روشنی میں اس موضوع پر بحث کی ہے۔ تاکہ

مسلمان معترضین اپنے کفر سے باز آکر توبہ کریں اور ہمیں اُمید ہے کہ ہر نیک نیت معترض کو ہمارے جواب سے تشفی حاصل ہوگئی ہوگی ۔

باب پنجم

چوتھا اعتراض

کیا مجلس بادہ خوری کی تھی ؟

اعتراض کا رنگ مولوی ثناء اللہ صاحب انجیل یوحنا کی ۲ : ۴ کی طرف اشارہ کرکے منجیٔ عالمین خداوند مسیح کے خلاف یوں زہر چکانی کرتے ہیں (نقل کفر کفر نہ باشد) :۔

" پادری برکت اللہ صاحب کی طرف سے یہ عذر ہو سکتا ہے کہ وہ مجلس شراب خوری کی تھی اس لئے اُس کے اثر سے اگر یہ فقرہ مُنہ سے نکل گیا ہو تو قابل درگزر ہے ۔ شیخ سعدی نے بھی اسی لئے کہا ہے ۔ ع
" محتسب گر مے خورد معذور دارد مست را " (ص ۱۴۸)

ناظرین ۔ مولوی صاحب کے الفاظ کو پڑھیں اور دیکھیں کہ آپ نے کس ہشیاری سے یہ اعتراض کیا ہے کہ مجلس شراب خوری کی تھی ۔ مسیح شراب پی کر متوالے تھے ۔ اور اُس کے اثر سے بہکی باتیں کر گئے اور وہاں کی بے ادبی بھری مجلس میں کر دی ۔ اعتراض ایسے پیرایہ میں کیا گیا ہے کہ اگر

کوئی مومن مسلمان کہے کہ تم نے حضرت کلمۃ اللہ کی توہین کی ہے تو کفر و ایمان کا کوئی سنجوگ کرنے والا معترض اپنی بریت میں کہہ دے کہ میں نے حضرت مسیح کی ذات پر حملہ نہیں کیا۔ میں نے جملہ شرطیہ کا استعمال کر کے صرف عیسائیوں کی طرف سے ایک "عذر" پیش کیا ہے۔

بر کفے جام شریعت۔ بر کفے سندان عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام و سندان باختن

لیکن اخبار اہل حدیث میں تو مولوی آنجہانی کھلے طور پر ننگے الفاظ میں کہتے ہیں۔ "مسیح سے یہ گناہ سرزد ہوا کہ وہ شراب کی مجلس میں حاضر ہوا"۔ (اخبار اہل حدیث ۲۶ دسمبر ۱۹۴۱ء)

خلیفۂ قادیان مبارک بادی کے مستحق ہیں کہ اب ان کے کٹر مخالف ان کے باپ کی کاسہ لیسی کرتے ہیں اور انہوں نے اس خاص اعتراض کے دہرانے میں قادیان کے آگے زانوئے شاگردی تہ کیا ہے۔ مرزا صاحب (غفر اللہ ذنوبہ) نے اہل یہود کی پیروی کر کے (لوقا ۷: ۳۳-۳۵) کلمتہ اللہ پر یہی بہتان باندھا تھا۔ حق تو یہ ہے کہ مسیحیت کی دشمنی میں ان مخالفین کو اپنے پرائے کی ہوش نہیں رہی۔ اور وہ اسلام کے ایک اولوالعزم پیغمبر پر بے باکانہ حملے کر رہے ہیں۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینہ کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

کلمتہ اللہ کیا کھاتے پیتے تھے؟ حضرت کلمتہ اللہ ایک غریب بڑھئی کے خاندان میں پیدا ہوئے (مرقس ۶/۳۔ لوقا ۲/۲۲) لہذا آپ وہی کھاتے پیتے تھے۔ جو غریب طبقہ کے محنتی اور جفاکش لوگ روزانہ مزدوری (متی ۲۰: ۱۰) کما کر

"روز کی روٹی" (متی ۶: ۱۱ و ۳۴) کھاتے تھے (متی ۱۰: ۹ و ۶: ۲۸ و ۳۱)۔ جب آپ اس دُنیا میں پیدا ہوئے تو آپ ایسی جگہ پیدا ہوئے۔ جہاں نہ کوئی مکان تھا اور نہ کوئی چھت تھی (لُوقا ۲: ۷) آپ کے افلاس کا یہ عالم تھا کہ آپ نے فرمایا "لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے مگر ابنِ آدم کے لئے سر دھرنے کی بھی جگہ نہیں" (لُوقا ۹: ۵۸) پس آپ کا کھانا پینا اور طرزِ رہائش وہی تھی جو مفلس اور غریب طبقہ کے لوگوں کی تھی۔

گزشتہ باب میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اہلِ یہود روٹی کے ساتھ انگور کا رس بعینہٖ اس طرح پیتے تھے جس طرح پنجاب کے غرباء روٹی کے ساتھ گڑ کا شربت یا چھاچھ پیتے ہیں۔ پس آنخداوند بھی دیگر غرباء کی طرح سادہ روٹی کھاتے تھے اور روٹی کے بعد سادہ پانی پیتے تھے (یوحنا ۴: ۷) یا انگور کا رس پیتے تھے (لُوقا ۷: ۳۴) اور عید تیوہار کے دن آپ روٹی کے بعد (لُوقا ۲۲: ۲۰) "انگور کا شیرہ" پیا کرتے تھے جو شہد کی قسم کا ہوتا تھا (متی ۲۶: ۲۹ مرقس ۱۴: ۲۵۔ لُوقا ۲۲: ۲۰) معترضین شیرہ پر تو اعتراض بھی نہیں کر سکتے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت نے فرمایا "جو تم میں سے کوئی شیرہ پیئے تو چاہئے کہ اکیلی کا پیئے۔ خواہ صرف منقے کا خواہ صرف کچی کھجور کا خواہ فقط گدر کھجور کا" یہ حدیث حضرت نے اس واسطے فرمائی کیونکہ شراب کے حرام ہونے کے بعد عرب کھجور کو چُور کر کے بھگو رکھتے اور اس کا شیرہ پیتے تھے جس کو نبیذ کہتے تھے" (مشارق الانوار ص ۱۰) آنخداوند انگور کے رس اور شیرہ کو خدا کی عطا کردہ نعمت سمجھ کر پیتے اور خدا کا شکر بجا لاتے (زبور ۱۰۴: ۵۔ لوقا ۲۲)

انجیل جلیل کا ایک ایک ورق چھان مارو۔ چاروں انجیلوں کی ایک ایک آیت کی "بال کی کھال" نکال (ص ۵۱) لو آپ کو کہیں نہ ملیگا کہ حضرت کلمتہ اللہ

نے پانی یا انگور کے رس یا انگور کے شیرہ کے علاوہ کبھی "نشہ آور پانی" پیا ہو ہم اُوپر بتلا چکے ہیں۔ کتب عہدِ عتیق میں جو چیزیں انگور سے بنتی ہیں اُن کے نو مختلف نام ہیں۔ کتب عہدِ جدید سے ظاہر ہے کہ آنخداوند انگور کے رس اور شیرہ کے سوا باقی تمام چیزیں از قسم سکر۔ تیروش۔ خمر وغیرہ کبھی زبان پر نہ لائے۔ آپ کے پرہیز کا یہ عالم تھا کہ جب آپ صلیب پر لٹکائے گئے تو جو شئے از قسم شراب مصلوبوں کو پلائی جاتی تھی تاکہ اُن کو اذیت کا احساس کم ہو جب وہ آپ کے پیش کی گئی (لوقا ۲۳: ۳۶) تو آپ نے وہ بھی نہ پی (متی ۲۷: ۳۴)۔

(۴)

مولوی ثناء اللہ صاحب کی دریدہ دہنی ملاحظہ ہو۔ آپ "خدا کے قدوس" (مرقس ۱: ۲۴) پر بہتان لگانے سے ذرا نہیں جھجکے۔ کیا مولوی صاحب انجیل جلیل کے کسی ایک مقام سے بھی یہ بتلا سکتے ہیں کہ کسی شخص نے کسی وقت بھی مسیح کو مخمور دیکھا ہو یا "شراب کے اثر سے" بدمست ہو کر لڑکھڑاتے یا بہکی باتیں کرتے پایا ہو؟ کیا یہ بات قرآن میں کہیں درج ہے۔ یا رسول عربی سے کسی حدیث میں آئی ہے؟ پس جب یہ بات نہ انجیل میں نہ قرآن حدیث میں کسی جگہ موجود ہے تو آپ کو کیا حق حاصل ہے کہ آپ ایک ایسی شرمناک پوزیشن اختیار کریں جو عیسائیوں اور مسلمانوں دونوں کے نزدیک کفر ہے؟ کیا آپ دائرہ اسلام میں رہ کر عیسائیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے جو آپ کو یہ ضرورت پڑی کہ قرآن و حدیث کو بمصداق قرآنی آیہ وراء ظهورهم پیٹھ پیچھے پھینک قادیان کو اپنا قبلہ بنا' یہود کے ہم زبان ہو کر آپ نے وجیھاً فی الدنیا والآخرۃ پر ایسا ناپاک بہتان لگایا جو شعور

انسانی سے بھی خالی ہے۔ ع شدہ گفتی ہمہ چیرہ بمغزش علت سودا۔ قریش حضرت رسول عربی پر بہتان طرازی کرتے تھے۔ اور ان کو جادوگر کہتے تھے (احقاف ۷ وغیرہ) لیکن ان کے اس بہتان کی بناء پر کوئی صحیح العقل شخص آنحضرت کو جادوگر قرار نہیں دیگا۔ اسی طرح اہل یہود کلمتہ اللہ پر بہتان لگاتے تھے کیونکہ وہ بالفاظِ قرآن "قسی القلب" تھے۔ وہ اللہ کے ہر نبی اور فرستادہ رسول پر بہتان لگاتے اور ستاتے اور قتل کرتے تھے (متی ۲۳: ۲۱-۳۸) چنانچہ حضرت یوحنا بپتسمہ دینے والے پر یہ الزام لگاتے تھے کہ یہ نہ روٹی کھاتا ہے اور نہ انگور کا رس پیتا ہے پس "اس میں بدروح ہے" (لوقا ۷: ۳۳) حقیقت یہ تھی کہ حضرت یوحنا کی نسبت اللہ نے فرشتے کی معرفت فرمایا تھا کہ وہ انگور کا رس اور نہ کوئی اور شراب پئے گا" (لوقا ۱: ۱۵ گنتی ۶: ۳)۔ اس الٰہی فرمان کے مطابق حضرت یوحنا نہ صرف انگور کا رس پینے سے احتراز کرتے تھے بلکہ روٹی تک نہیں کھاتے تھے۔ ان چیزوں کی بجائے آپ کی خوراک ٹڈیاں اور جنگلی شہد تھا" (متی ۳: ۴) جو حلال اشیاء تھیں۔ (احبار ۱۱: ۲۲ + ۱۔ سموئیل ۱۴: ۲۵ و ۳۰ وغیرہ) قرآن میں اسی واسطے حضرت یوحنا کی نسبت آیا ہے إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ تحقیق اللہ بشارت دیتا ہے۔ تجھ کو یحییٰ کی جو کلمتہ اللہ کی تصدیق کرنے والا ہوگا اور سردار ہوگا۔ اور عورتوں کی طرف سے اپنے نفس کو روکنے والا ہوگا۔ اور نبی بھی ہوگا اور صالحوں میں سے ہوگا (آل عمران آیت ۳۹) پس حضرت یوحنا خوراک عورت وغیرہ تمام جائز لذتوں سے "اپنے نفس کو روکنے" والے تھے۔ لہذا یہود کہتے تھے کہ یہ پاگل ہے اس میں بدروح ہے (لوقا ۷: ۳۳)۔ لیکن منجی عالمین

روٹی اور انگور کا رس خدا کی عطا کردہ نعمت سمجھ کر کھاتے پیتے تھے اور یہود اُن پر یہ بہتان لگاتے کہ "یہ کھاؤ اور شرابی" ہے یعنی حدِ اعتدال سے زیادہ کھاتا پیتا ہے (لوقا ۷: ۳۴) آنخداوند نے یہود کے دونوں بہتانوں کا جواب دے کر فرمایا کہ "حکمت اپنے کاموں سے راست ثابت ہوئی"۔ (متی ۱۱: ۱۹) یعنی سب حکمت پسند شخص جانتے ہیں کہ نہ یوحنا پاگل تھا اور نہ میں کھانے پینے کے معاملہ میں حدِ اعتدال سے تجاوز کرتا ہوں۔ حضرت یوحنا روٹی نہ کھانے اور انگور کا رس نہ پینے اور ریاضت کی زندگی بسر کرنے کی وجہ سے "پاگل" قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ اور میں روٹی کھانے اور انگور کا رس پینے کی وجہ سے "پیٹو" اور "شرابی" قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ ہم دونوں کے عہدۂ نبوت اور تبلیغ کے نتائج یہ واضح کر دیتے ہیں کہ ہم دونوں کے طریقۂ کار اپنی اپنی جگہ درست اور "راست" ہیں (لوقا ۷: ۳۵) اسی طرح چھ سو سال بعد قرآن میں بھی یہود کے ناپاک بہتانوں کو خاص طور پر رد ٹھہرایا گیا۔ اور وہ "ناخلف" یہود صُمٌّ بُکمٌ خاموش رہ گئے۔

مرزائے قادیانی (غفر اللہ ذنوبہ) کی یہ عادت تھی کہ آپ اہل یہود کے بہتانوں کو چٹخارے لے کر اور نمک مرچ لگا کر دہرایا کرتے تھے۔ پچاس سال کے قریب ہوئے سلطان المناظرین حضرت اکبر مسیح صاحب مرحوم نے آنجہانی مرزاجی کی ہزلیات کا مسکت جواب "ضربتِ عیسوی" میں دیا۔ جس کے جواب میں قادیان سے صدائے برنخاست۔ اس قسم کے مسلمان معترضین نے قرآن کو پس پشت پھینک، دائرہ اسلام سے باہر نکل، اللہ کی بجائے اہلِ قادیان کو ارباب من دون اللہ مان، اور کتاب اللہ کی بجائے مرزاجی کی تحریرات کو حرزِ جان بنا لیا ہے۔ اور آپ دو ہزار برس کے مُردے آج اُکھیڑ

کہ ملک کی مذہبی فضا کو مکدّر اور متعفن کر رہے ہیں۔ اور یہ گورکنی مایۂ ناز بھی سمجھی جا رہی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ ایسے مناظرین کے رنگِ مباحثہ نے علمِ مناظرہ کو اس کی بلندیوں اور لطافتوں سے محروم کر کے کثافت اور گندگی میں آلودہ کر دیا ہے۔

پھرے زمانہ۔ پھرے آسمان۔ ہوا پھر جا
بُتوں سے ہم نہ پھریں ہم سے گو خُدا پھر جا

(۲۳)

حضرت کلمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کھانے پینے میں اعتدال سے کام لیتے تھے۔ (متی ۱۱: ۱۹) اور اسی قسم کی میانہ روی کی جانب قرآن مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے جب وہ کہتا ہے۔ اِعدِلُو ھُوَ قربُ للتقوٰی یعنی "اعتدال کو کام میں لاؤ۔ کیونکہ وہ تقوے کے قریب ہے"۔ منجیٔ عالمین خُدا کی ہر پیدا کردہ شے کو رزقاً حسناً تصور کر کے اُس کا معتدل استعمال جائز سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا رویہ حضرت یُوحنا کا سا نہ تھا۔ نہ آپ تپسی راہب تھے اور نہ زاہدِ خُشک۔ جب آپ کسی جگہ مدعو کئے جاتے تو آپ ہر کہ و مہ کے گھر تشریف لے جاتے (لوقا ۷: ۳۶۔ ۱۴: ۱ متی ۹: ۱۰۔ یُوحنا ۲: ۱ وغیرہ) اور اُن کی خوشی اور ضیافت میں شریک ہوتے۔ آپ خوشی کرنے والوں کے ساتھ خُوشی کرتے اور ماتم کرنے والوں کے ساتھ روتے (یُوحنا ۱۱: ۳۲ تا ۳۷ وغیرہ) اور یُوں آپ نے دیگر انسانوں کی سی زندگی بسر کی۔ خُدا نے جو مکاشفہ ہم کو مسیح میں بخشا ہے وہ تپس اور رہبانیت کا نہیں بلکہ ایسا ہے جس سے ہر انسان اپنی سادہ زندگی فطرت کے مطابق بسر کر سکتا ہے۔ کلمۃ اللہ کی تعلیم میں ضبط اور ایثارِ نفس کی تلقین کی گئی

ہے (دیکھو لوقا ۱۹:۲۳ مر ۸: ۳۳-۳۷ وغیرہ) لیکن آپ نے دل اور باطن کی پاکی کو کبھی تپس اور جسمانی ریاضت کے مترادف قرار نہ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ مسیحیت کے لئے رہبانیت کوئی ضروری اور لازمی شرط نہیں۔ لیکن معترض اپنے جوشِ اعتراض میں حقائق کی طرف سے اعراض کر کے ایک طرف تو مسیح اور مسیحیت پر رہبانیت کا الزام لگاتے ہیں اور دوسری طرف مسیح کو شرابی اور نشہ باز بتلاتے ہیں!!

ع اُلٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے

شادی کی محفل یا شراب خوری کی مجلس؟

مولوی صاحب کہتے ہیں کہ وہ "مجلس شراب خوری کی تھی"۔ واللہ علم ان کے پاس اس دعویٰ کے لئے کیا سند ہے۔ انجیل جلیل میں تو صاف لکھا ہے کہ "تیسرے دن قانائے گلیل میں ایک شادی تھی۔ اور یسوع اور اُس کے شاگردوں کی بھی اس شادی میں دعوت تھی"۔ (۲:۱-۲) پس یہ محفل، شادی کی محفل تھی جس میں مقدسہ بی بی مریم اور کلمۃ اللہ کی سی مقدس ہستیاں مدعو تھیں ایسی محفل کو "مجلس شراب خوری" قرار دینا جہاں ارباب نشاط کا جھرمٹ لگا ہو پرلے درجے کی قساوت قلبی نہیں تو اور کیا ہے؟ اِس قسم کے اعتراضات ظاہر کرتے ہیں کہ آپ کی قادیان سے ملی بھگت ہے۔

آپ کو یہ خیال نہ آیا کہ آپ ایسی شخصیتوں پر اعتراض کر رہے ہیں جن کی نسبت قرآن میں آیا ہے کہ اِنِّیْ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اور فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا یعنی اللہ فرماتا ہے کہ تحقیق میں نے پناہ دی اس کو ساتھ تیرے اور اولاد اُس کی کو راندے ہوئے شیطان سے۔ پس قبول کیا اس

رب اُس کے نے بوجۂ احسن ۔ اور دی ان کو نشوونما عمدہ طور پر (آل عمران
آیت ۳۱ و ۳۲) کیا آپ کا ناپاک بہتان انہی قرآنی آیات کی تفسیر ہے ؟ کیا
اللہ شیطان رجیم سے اسی طرح "پناہ" دیا کرتا ہے اور اسی طور پر عمدہ
نشوونما کیا کرتا ہے کہ وہ شراب خوری کی مجلس میں شامل ہو کر بہکی
باتیں کیا کریں ؟ مولوی صاحب کلمۃ اللہ اور انجیل جلیل سے برسرِپیکار
نہیں بلکہ اللہ اور قرآن سے مصروف جنگ ہیں ؎

واہ کیا راہ دکھائی ہے ہمیں مرشد نے — کر دیا کعبے کو گم اور کلیسیا نہ ملا (اکبرالہ آبادی)

(۲)

چونکہ مولوی صاحب اہل یہود کی صحفِ سماوی کے علم سے قطعی طور
پر بے بہرہ ہیں اور ہم ان کو اور ان کے ناظرین کو ان کی لاعلمی کا شکار ہونے
سے بچانا چاہتے ہیں لہٰذا ہم ان کو یہ بتلائے دیتے ہیں کہ اہل یہود میں
شادی بیاہ ایک مقدس رسم خیال کی جاتی تھی۔ ان کی صحف مقدسہ میں
رشتۂ ازدواج ایک مبارک اور پاک رشتہ سمجھا جاتا تھا کیونکہ یہ رشتہ
اُس تعلق کا مظہر تھا جو اہل یہود کے خدا اور قوم اسرائیل کے درمیان تھا۔
یہود کی کتبِ آسمانی کے مطابق خدا اور اسرائیل کے درمیان ویسا ہی تعلق
تھا جیسا زمین پر دولہا اور دلہن میں ہوتا ہے۔ خدا قوم اسرائیل کا دولہا
ہے اور اس کی برگزیدہ قوم اس کی دلہن ہے۔ غزل الغزلات میں چھ دفعہ
یسعیاہ نبی کے صحیفہ میں تین دفعہ (۶۲: ۵ وغیرہ) یرمیاہ نبی کے صحیفہ میں
ایک دفعہ خدا اور قوم اسرائیل میں اس رشتہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے
کہ جب کبھی قوم اسرائیل خدا سے برگشتہ ہو کر غیر معبودوں کی پرستش
کرنے لگتی تو خدا اپنے انبیاء کی معرفت بار بار اس کو "زناکار" کا خطاب

دیتا (یسعیاہ ۵۷: ۳ + یرمیاہ ۳: ۹ + ۵: ۷ + حزقی ۲۳: ۳۷ + ہوسیع ۲: ۲ وغیرہ) کلمتہ اللہ نے بھی اس لفظ "زنا کار" کو "خدا سے برگشتگی اور بغاوت" کے معنوں میں استعمال کیا ہے (متی ۱۲: ۳۹ + ۱۶: ۴) اس محاورہ کا اصلی مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے مولوی صاحب نے منجی عالمین کو بار بار کوسا ہے (صفحہ ۱۶۹ - صفحہ ۱۶۹ وغیرہ وغیرہ) اسی طرح طلاق خدا اور اس کی قوم اسرائیل کے باہمی تعلقات کے ٹوٹ جانے کی دُنیاوی مثال ہے (یسعیاہ ۵۰: ۱ - یرمیاہ ۳: ۸ وغیرہ) اسی مثال کو مقدس پولوس اور مقدس یوحنا نے اس پاک رشتہ کے لئے اور اس کے ٹوٹ جانے کے لئے استعمال کیا ہے۔ (رومیوں ۷: ۱-۶ و مکاشفہ ۱۹: ۷ وغیرہ) اہلِ یہود کی کتب سماوی اسلام اور قرآن کی طرح اس رشتہ کو بالفاظِ مولوی صاحب "مصنوعی" (صفحہ ۱۳۹) خیال نہیں کرتی تھیں بلکہ اس کو ایک پاک اور مقدس رشتہ تسلیم کرتی تھیں (مرقس ۱۰: ۶)

پس اہل یہود میں شادی بیاہ کی محفل میں مہمان صرف اشیائے خورد و نوش میں ہی منہمک نہیں رہتے تھے۔ بلکہ ان کے خیال اِس رشتہ کی پاکیزگی کی وجہ سے ضیافت میں خدا کی جانب منعطف کئے جاتے تھے جو قوم اسرائیل کا دُلہا تصور کیا جاتا تھا (مکاشفہ ۱۹: ۱۹) اہل یہود میں جو پارسا ہوتے تھے وہ بیاہ سے پہلے روزہ رکھتے اور اپنے گناہوں کا اقرار کر کے مغفرت کے طلبگار ہوتے تھے۔ پس مولوی صاحب کا اس قسم کی شادی کی محفل کو "مجلسِ شراب خوری" کہنا انتہائی لاعلمی۔ گستاخی اور توہین پر دلالت کرتا ہے۔

باب چہارم میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ قدرت نے ارضِ مقدس کنعان کی سرزمین کو تاک کی پیدائش کے لئے اس قدر موزوں بنایا تھا کہ گھر گھر تاکستان تھے۔ اور سب یہودی روٹی کے بعد انگور کا رس "مازقا حسنا"

سمجھ کر پیتے اور اس طیب شے کے لئے خُدا کا شکر بجا لاتے تھے (زبور ۱۰۴: ۱۵ وغیرہ)۔ مرحوم یہودی عالم ابراہام فرماتے ہیں کہ "یہودی بیاہ کی یہ خصوصیت ہے کہ برکت کے سات کلمے پڑھے جاتے ہیں اور برکت کا پہلا کلمہ انگور کے رس کے لئے ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "اے خُداوند ہمارے خُدا۔ تمام کائنات کے بادشاہ۔ تو مُبارک ہے جس نے ہمارے لئے انگور کا پھل پیدا کیا ہے"۔ پس مجرّد انگور کے رس کی موجودگی شادی کی محفل کو "مجلسِ شراب خوری" میں تبدیل نہیں کر سکتی۔

(۳)

یہ بات قابلِ غور ہے کہ جس خاندان میں شادی تھی گو وہ ایک مفلس اور غریب خاندان تھا لیکن وہ شریف النسب تھا۔ پس دُلہا نے جو اشیائے خورد و نوش کا ذمہ وار ہوتا تھا (قضاۃ ۱۴: ۱۰) اپنی غریبی کی وجہ سے انگور کا رس صرف اتنا ہی مہیا کیا تھا جتنا وہ خیال کرتا تھا کہ مہمانوں کے لئے کفایت کریگا۔ یہی وجہ تھی کہ انگور کا رس کم بھی ہو گیا تھا۔ پس مقدار کی کمی صاف ثابت کرتی ہے کہ یہ "مجلسِ شراب خوری" نہ تھی جہاں دُنیا جہان کے میگسار اور بادہ خوار اربابِ چنگ و نشاطِ ناچ رنگ میں مشغول تھے۔ کہاں اِس شریف اور غریب خاندان کا افلاس اور کہاں مطرب اور چنگ اور ساقی اور ساغر و مینا کا دَور!

(۴)

اِس غریب گھرانے میں مہمانوں کی قلیل مقدار کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ بالفاظِ انجیل نویس "وہاں یہودیوں کی طہارت کے دستور کے مطابق پتھر کے صرف چھ مٹکے رکھے تھے اور ان میں دو دو تین تین من پانی

کی گنجائش تھی"۔ (آیت ۶) جو لوگ یہودیت سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس قوم میں "طہارت" پر کس قدر زور دیا جاتا تھا۔ چنانچہ مرقس ۷: ۱۔ ۵ اور متی ۲۳: ۲۵ و ۲۶ اور لوقا ۱۱: ۳۸ و ۳۹ میں ان دستورات کا صرف اشارۃً ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن طہارت کے متعلق اہلِ یہود کے ربیوں کے احکام کا ہم اس امر سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ کتاب مشناہ جو چھ حصوں میں تقسیم ہے۔ اس کا چھٹواں حصہ جس کا تعلق طہارت سے ہے سب سے زیادہ طویل ہے۔ اس حصے کے بارہ عنوانات ہیں جن میں ۱۲۶ باب اور ایک ہزار ایک فصلیں ہیں۔ پہلا عنوان صرف برتنوں کے دھونے کے متعلق ہے۔ اور اس کے چار باب ہیں۔ ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس مجلس میں یہودیوں کی طہارت کے دستور کے مطابق شادی کے کھانا پکانے اور کھلانے کے برتنوں کو دھونے، مہمانوں کے ہاتھوں کے دھونے اور غسل کرنے، اشیائے خورد و نوش کے پکانے وغیرہ کے لئے کس کثرت سے پانی کی ضرورت ہوگی لیکن بایں ہمہ ان سب باتوں کے لئے وہاں پانی کے صرف "چھ مٹکے" کافی سمجھے گئے۔ جن میں "دو دو تین تین من پانی کی گنجائش تھی" ان سب باتوں سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ مہمانوں کی تعداد قلیل تھی۔ نوشہ میاں نے انگور کا رس قلیل التعداد مہمانوں کے لئے مہیا کرنا ضروری سمجھا تھا۔ لیکن وہ مقدار میں ضرورت سے بھی کم ثابت ہوا۔ یہ کمی کم از کم اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ شادی کی محفل "مجلس شراب خوری" نہ تھی۔

(۵)

آنجہانی مرزائے قادیانی کہہ گئے ہیں کہ حضرت مسیح نے ان چھ مٹکوں

کے تمام کے تمام پانی کو "شراب" میں تبدیل کر دیا تھا۔ اور جو "شراب" بنی وہ اس حساب سے مقدار میں بارہ اور اٹھارہ من کے درمیان تھی اِس اعتراض کی تائید میں مرزاجی نے آیات ۷ و ۸ پیش کیں۔ جن میں لکھا ہے کہ آنخداوند نے منتظمین جلسہ کو حکم دیا یہ مٹکوں میں پانی بھر دو۔ پس اُنہوں نے ان کو لبالب بھر دیا۔ پھر اس نے ان سے کہا اب نکال کر میر مجلس کے پاس لے جاؤ۔ پس وہ لے گئے۔"

لیکن مرزائے قادیانی (غفر اللہ ذنوبہ) اور ان کے ہم خیالوں کا یہ اعتراض یونانی زبان کے الفاظ اور محاورات سے ناواقفیت اور لاعلمی پر مبنی ہے (آیت ۸ میں یونانی لفظ "اینٹلائن" (ἀντλεῖν) جس کا ترجمہ اُردو میں "نکال کر" کیا گیا ہے، یہودی کُتب مقدسہ کے یونانی ترجمہ سیپٹواجینٹ اور انجیل جلیل کی اصل یونانی میں ہر جگہ کنوئیں میں سے پانی نکالنے کے لئے ہی استعمال کیا گیا ہے (پیدائش ۲۴: ۱۳ + خروج ۲/۱۶ و ۱۹ + حزقی ۲: ۱۹ + یسعیاہ ۱۲: ۳ + یوحنا ۴: ۷ و ۱۵ وغیرہ وغیرہ) تمام کی تمام کتاب مقدس کا یونانی زبان کا ترجمہ چھان مارو۔ یہ لفظ انگور کا رس یا خمر یا سکر یا تیروش وغیرہ کو مٹکے یا کسی اور ظرف میں سے نکالنے کے لئے کبھی استعمال نہیں ہوا۔ جس سے ظاہر ہے کہ جو شے منتظمین جلسہ نے مٹکوں میں سے نکالی تھی وہ انگور کا رس نہیں تھا بلکہ پانی تھا چنانچہ آیت ۹ کے الفاظ صاف بتلاتے ہیں کہ اُنہوں نے مٹکوں میں سے "پانی نکالا تھا"۔ پس ثابت ہو گیا کہ مٹکوں میں جو دو دو تین تین من پانی" تھا وہ "پانی" ہی رہا اور منتظمین نے مٹکوں میں سے پانی نکالا تھا۔ اور جو پانی اعجازی طور پر انگور کا رس بنا وہ مٹکوں میں سے نکالنے کے بعد اور میر مجلس کے پاس

لے جانے کے درمیانی عرصہ میں انگور کا رس بنا۔ یعنی پانی میں جو تبدیلی واقع ہوئی وہ اس وقت کے بعد وقوع پذیر ہوئی جب مٹکوں میں سے پانی نکالا جا چکا تھا۔ پس جتنا پانی منتظمین حسب ضرورت مٹکوں میں سے نکالتے وہ انگور کے رس میں تبدیل ہو جاتا۔ لیکن مٹکوں کے باقی ماندہ پانی نے اپنی شکل اور ماہیت نہ بدلی بلکہ وہ پانی ہی رہا[1]۔

یہ تاویل مذکورہ بالا صحیح تفسیر پر مبنی ہے کہ انجیل جلیل کے کسی لفظ کا مطلب سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام مقامات کا ملاحظہ کیا جائے جہاں وہ لفظ وارد ہوا ہے۔ اس تاویل کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ انجیلی بیان کے کسی لفظ سے بھی یہ نتیجہ اخذ نہیں ہو سکتا کہ مٹکوں کا سارے کا سارا پانی تبدیل ہو گیا تھا یا جب سب مہمان کھانے پینے سے فارغ ہو گئے تو مٹکوں میں انگور کا رس باقی بچ کر رہ گیا تھا حالانکہ اگر کچھ باقی رہ جاتا تو انجیل نویس اس کا ضرور ذکر کرتا جس طرح وہ پانچ ہزار کے گروہ کو معجزانہ طور پر روٹی کھلانے کے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ جب "پانچ ہزار سیر ہو چکے تو یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ بچے ہوئے ٹکڑوں کو جمع کرو تاکہ کچھ ضائع نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے جمع کیا اور جو کی پانچ روٹیوں کے ٹکڑوں سے جو کھانے والوں سے بچ رہے تھے بارہ ٹوکریاں بھریں" (یوحنا ۶: ۱۲-۱۳)۔

جب ہم ان دونوں معجزوں کا مقابلہ اور موازنہ کرتے ہیں تو اس کی روشنی میں ہماری تاویل کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ روٹی کھلانے کے معجزہ

1. J. E. Carpenter, The Johanine writings p. 379 note.

کے وقت پانچ روٹیاں اور دو مچھلیاں" آنخداوند نے اعجازی طور پر پانچ ہزار کے ہجوم کو کھلائیں۔ لیکن اس وقت یہ پانچ روٹیاں اور دو مچھلیاں یکدم اعجازی طور پر روٹیوں اور مچھلیوں کا ڈھیر نہیں ہو گیا تھا بلکہ لکھا ہے کہ "یسوع نے وہ پانچ روٹیاں اور مچھلیاں لیں اور اس نے شکر کر کے ان کو توڑا اور توڑ کر شاگردوں کو دیتا گیا اور شاگرد لوگوں میں بانٹتے گئے اور اسی طرح مچھلیوں میں سے جس قدر چاہتے تھے بانٹ دیا اور سب کھا کر سیر ہو گئے" (یوحنا ۶: ۱۱ و متی ۱۵: ۳۶) ان آیات سے ظاہر ہے کہ روٹیوں اور مچھلیوں میں اعجازی طور پر دورانِ تقسیم اضافہ ہوتا گیا اور لوگ جس قدر چاہتے تھے حسبِ ضرورت کھاتے گئے۔ اسی طرح قانائے گلیل میں پانی اعجازی طور پر دورانِ تقسیم تبدیل ہو کر انگور کا رس بنتا گیا اور مہمان جس قدر چاہتے تھے "حسبِ ضرورت پیتے گئے۔ جب کمی پوری ہو گئی تو پانی کا تبدیل ہونا بھی بند ہو گیا اور مٹکوں میں جو پانی بچ رہا وہ یہودیوں کی طہارت کے دستور کے مطابق" استعمال میں آیا۔

(۶)

چونکہ یہاں ہم مخالفین مسیحیت پر اتمامِ حجت کرنا چاہتے ہیں پس لگے ہاتھوں اس بحث کو پورا کرنے کے لئے ہم میرِ مجلس کے اس قول کو بھی سمجھائے دیتے ہیں جو آیت ۱۰ میں مندرج ہے۔ "میرِ مجلس نے دولھا کو بلا کر اس سے کہا کہ ہر شخص پہلے اچھی مے پیش کرتا ہے۔ اور ناقص اس وقت جب پی کر چھک گئے مگر تو نے اچھی مے اب تک رکھ چھوڑی ہے"۔

اول۔ یاد رکھنا چاہیے کہ میرِ مجلس کا یہ قول محض عامیانہ ہے جس میں ایک ایسے دستور کا بیان ہے جو رذیل گھرانوں میں ہوتا ہو گا۔

ان بازاری الفاظ سے کوئی صحیح العقل شخص یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ شریف یہودی گھرانوں میں مدعو شدہ مہمان پی کر "چھک" جاتے تھے۔ بالخصوص یہ خاندان جس میں اُمّ المومنین مقدسہ مریم اور منجیٔ عالمین جیسی پاک ہستیاں مدعو کی گئی تھیں گو غریب سہی پر شریف تو تھا پس کوئی حقیقت پسند شخص میر مجلس کے بازاری اور عامیانہ الفاظ سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ یہ مجلس شراب خوری کی تھی"

دوم۔ خود میر مجلس کا قول اِس بات کا شاہد ہے کہ اِس کے قول کا اطلاق موجودہ محفل پر نہیں ہو سکتا کیونکہ خود اس کے الفاظ بھی اس عام دستور میں اور موجودہ مجلس میں امتیاز کرتے ہیں اور صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ کم از کم اس محفل کے مہمان پی کر "چھک" نہیں گئے تھے۔

سوم۔ ہم باب چہارم میں لکھ چکے ہیں کہ جس لفظ کا ترجمہ "پی کر چھک گئے" کیا گیا ہے وہ "میتھیوسما" کا فعل ہے جو بالکل الگ شے ہے۔ جس کے لئے عبرانی میں لفظ "تیروش" آیا ہے جو ایک نشہ آور چیز ہے اور جس کی "بائبل میں حرمت" کا آپ کو خود اقبال ہے (صفحہ ۹۰) پر جو شے آنخداوند نے بنائی وہ "میتھیوسما" نہ تھی بلکہ "اوینوس" تھی۔ لہٰذا میر مجلس کا قول خود آنخداوند کی بنائی ہوئی شے اور دوسری شے میں تمیز کرتا ہے

چہارم۔ ہم کو یقین ہے کہ معترضین کی اپنی عقل اس بات کو قبول نہیں کر سکتی کہ حضرت کلمتہ اللہ (جن کو وہ خدا کا فرستادہ مانتے ہیں) ایک ایسی مجلس میں نہ صرف رونق افروز ہوں بلکہ وہ اپنی اعجازی طاقت کے ذریعہ کثرت سے "شراب" بنا کر اِس قسم کی بد اعتدالی کے خود ہی موجب ہوں پس ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ وہ کیونکر حضرت روح اللہ پر ایسے اعتراضا

کرتے ہیں جن کو ماننے کی اُن کا اپنا ایمان اجازت نہیں دیتا اور جن کو نہ اِن کے مخاطب مانتے ہیں؟ ایسے نام نہاد ایمان فروش مولویوں کے اِس ناپاک رویہ کی وجہ سے مسلمانوں اور عیسائیوں کے باہمی تعلقات قرآن کے اصلی منشاء کے مطابق خوشگوار (مائدہ آیت ۸۵) ہونے کی بجائے ایک مسلسل آویزش کی صورت اختیار کر رہے ہیں۔ ؎

ما مُریداں رُو بسوئے کعبہ چُوں آریم چُوں
رُو بسوئے خانۂ خمار دارد پیر ما

معجزات مسیح آیات اللہ ہیں

انجیل نویس قانائے گلیل کے مُعجزہ کے لئے لفظ "مُعجزہ" استعمال نہیں کرتا اگرچہ اُردو ترجمۂ انجیل آیت گیارہ میں یونانی لفظ "سیمائی اون" (σημειον) کا ترجمہ غلطی سے "معجزہ" کیا گیا ہے۔ اس لفظ کا صحیح ترجمہ "نشانی" ہے چنانچہ آیت کا عربی ترجمہ ملاحظہ ہو۔ "ھٰذا فعل یسوع بدء الآیات فی قانا الجلیل و اظہر مجدہٗ و امن بہ تلامیذہٗ"۔ پس اس آیۂ شریفہ کا یہ مطلب ہے کہ یہ پہلا معجزہ ایک "نشانی" تھا جس کو حضرت کلمتہ اللہ نے دکھلا کر "اپنا جلال ظاہر کیا" اور آپ کے شاگرد آپ پر ایمان لائے"۔

ہم مولوی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا قرآن و انجیل کے مطابق نبوّت کا "نشان" یہی ہے کہ نبی "مجلس شراب خوری" میں شریک ہو اور شراب کو اعجازی طاقتِ خُداداد سے بنائے اور خود اس قدر پیئے کہ اس کے اثر سے متوالا ہو کر ماں کی "سوء ادبی" کرے اور ساقی بن کر بادہ گساروں کو جام بھر بھر شراب پلائے اور ساغر و مینا کا دَور چلائے؟ آپ نے کچھ تو غور کیا ہوتا کہ آیا اِس قسم کے طرزِ عمل سے کوئی نبی "اپنا جلال ظاہر" کر سکتا ہے اور کوئی

سمجھدار شخص اس قسم کے کام کرنے والے پر "ایمان" لا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ لیکن انجیل جلیل کے الفاظ نہایت واضح ہیں کہ اس نشان کو دکھلا کر حضرت کلمتہ اللہ نے اپنا جلال ظاہر کیا اور آپ کے شاگرد آپ کی نبوت پر ایمان لائے (آیت ۱۱) اگر مولوی صاحب اِس جلال کی حقیقت کی جھلک دیکھنا چاہتے ہیں تو وہ یوحنا ۱: ۱۴۔ لوقا ۹: ۲۹۔ ۲ پطرس ۱: ۱۶۔ ۱۷۔ ۱ یوحنا ۱: ۱ و ۴ و ۱۴۔ یوحنا ۱۷: ۲۲ و ۲۴ و ۱۱: ۴۔ کا "تدبر اور غور" سے مطالعہ کریں اور عہد عتیق میں یسعیاہ ۴۰: ۵۔ حزقی ۳۹: ۲۱ وغیرہ کو دیکھیں۔ کیونکہ ان آیات کے الفاظ کو ابن اللہ نے اپنی زندگی میں اقوال و افعال کے وسیلے پورا کیا پس آپ کا یہ اعتراض بے بنیاد ہے۔

(۲)

مقدس یوحنا انجیل نویس ہم کو بتلاتا ہے کہ اس نے حضرت کلمتہ اللہ کے ہزاروں معجزات میں سے صرف چند ایک کا ہی ذکر کیا ہے (۲۰: ۳۰) پس جن معجزات کا ذکر کیا گیا ہے وہ کسی خاص مقصد کے تحت چُنے گئے ہیں۔ وہ مقصد کیا تھا؟ اگر مولوی صاحب نے انجیل کی "تلاوت" کی ہوتی اور قرآن میں گہری نظر سے غور" کیا ہوتا (ص ۱۴۹) تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ دونوں الہامی کتابیں حضرت کلمتہ اللہ کے معجزات کے لئے ایک ہی لفظ یعنی "نشانی" استعمال کرتی ہیں۔ چنانچہ قرآن میں حضرت رُوح اللہ اپنے معجزات کی نسبت اہل یہود کو فرماتے ہیں اِن فی ذالک لآیۃ" لکم ان کنتم مومنین۔ یعنی بلاشبہ میرے ان معجزات میں نشانی ہے واسطے تمہارے اگر تُم ایمان والے ہو (آل عمران آیت ۴۳) اگر آپ نے اس قرآنی آیۂ شریفہ پر "تدبر و غور" کیا ہوتا تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ قرآن کا مطلب "نشانی" سے بعینہ وہی ہے جو انجیل کا مفہوم

ہے (آیت ۱۱) یعنی جو معجزات آنخداوند کرتے تھے وہ اس بات کا "نشان" دیتے تھے کہ ان معجزات کے کرنے والا کس قسم کا انسان ہے یعنی آنخداوند کے جذبات۔ خیالات۔ محسوسات اور واردات قلب غرضیکہ آپ کی شخصیت کے مظہر تھے۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ ان کو دیکھ کر آپ پر "ایمان" بھی لاتے تھے حضرت کلمتہ اللہ کے سب معجزات پر معنی نشان تھے جو لوگوں کے اذہان کو روحانی حقائق کی جانب منتقل کرتے تھے۔ یہ معجزات بذات خود ایسے اہم نہیں تھے جیسے وہ روشن حقائق جن کی جانب ان کے ذریعہ توجہ منعطف ہوتی تھی اور جن کی یہ خبر دیتے تھے۔ مثلاً پانچ ہزار کو کھلانے کے معجزہ سے لوگوں پر یہ ظاہر ہو گیا کہ خداوند مسیح "زندگی کی روٹی" ہیں (۶: ۱- ۵۹) جنم کے اندھے کو بینائی دینے (۹ باب) سے ہر خاص و عام پر یہ روشن ہو گیا کہ آنخداوند "دنیا کا نور" ہیں (۸/۱۲) لعزر کو مردوں میں سے زندہ کر کے (یوحنا ۱۱ باب) آپ نے سب دیدہ وروں پر ظاہر کر دیا کہ آپ "قیامت اور زندگی" ہیں (۱۱/۲۵)۔ حضرت ابن اللہ نے پانی کو طاقت دینے والے انگور کا رس بنا کر عالم و عالمیان پر اس حقیقت کو منکشف کر دیا کہ یہودیت کا خم خانہ خالی ہو گیا اور اب آپ اس نئے عہد کے بانی ہیں جو انسان ضعیف البنیان کو طاقت اور قوت دے کر اس کو دنیا کے ہوا و ہوس، گناہ اور شیطان پر غالب آنے کی توفیق بخشتا ہے (۱/۱۵-۱۸ - متی ۲۶/۲۶-۲۸)۔ یہ ہے صحیح تفسیر سورہ عمران کی مذکورہ بالا آیت کی۔ یہودیت کی رسمی عبادت وغیرہ کو دیکھ کر عاشقان بادۂ الٰہی کہتے تھے:-

سچ کہہ دوں اے برہمن گر تو برا نہ مانے — تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
تنگ آ کے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا — واعظ کا وعظ چھوڑا چھوڑے تیرے فسانے
سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی — آ۔ اک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کا قول آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔
قال لم نفھم المعانی کذ الک بنیس لک نصیب من القران الا فی قشورہ کما الیس فی البہیمتہ نصیب من ابرالاہ فی قشرہ یعنی اگر تم مطالبِ قرآن کو اِس طرح نہیں سمجھتے تو تم کو قرآن سے صرف اس کا چھلکا ہاتھ آیا ہے۔ جس طرح بہائم کو گیہوں میں سے صرف بھوسی ہاتھ آتی ہے۔

(۳)

یہ انجیل نویس کلمتہ اللہ کے معجزات کے لئے ایک اور لفظ استعمال کرتا ہے یعنی "کام" (یوحنا ۵: ۳۶۔ ۱۰: ۳۷ و ۳۸) جس سے اُس کے لفظ "نشانی" کے مفہوم پر روشنی پڑتی ہے۔ اگر ہم مذکورہ بالا صحیح اُصول تفسیر کے مطابق ان تمام مقامات کا "تدبر اور غور" کے ساتھ مطالعہ کریں جہاں اناجیل اربعہ میں یہ الفاظ مستعمل ہوئے ہیں تو ہم پر واضح ہو جائیگا کہ انجیل نویسوں کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہمارے کام ہماری رغبت۔ عادت اور شخصیت کی نشان دہی کرتے ہیں اسی طرح کلمتہ اللہ کے معجزات آپ کی ذات و صفات کی نشان دہی کرتے تھے (متی ۱۱: ۲-۵) چنانچہ آپ نے فرمایا "اگر میں اپنے باپ کے کام نہیں کرتا۔ تو میرا یقین نہ کرو لیکن اگر میں کرتا ہوں تو ان کاموں کا یقین کرو تاکہ تم جانو اور سمجھو کہ باپ مجھ میں ہے اور میں باپ میں ہوں" (یوحنا ۱۰: ۳۷-۳۸) آنخداوند کے معجزات محبت۔ رحم اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور یہ نشان دیتے ہیں کہ ان کاموں کا کرنے والا محبت مجسم ہے۔ آنخداوند کا ہر مسیحائی دم خدا کی ذات کی نسبت نشان دہی کرتا ہے (یوحنا ۴: ۳۴-۱۷: ۴ وغیرہ) اور بنی نوعِ انسان پر واضح ہو جاتا ہے کہ خدا محبت ہے اور حضرت کلمتہ اللہ اس لازوال اور ازلی اور ابدی محبت کے مظہر ہیں۔ خدا

کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے اُسی نے ظاہر کیا" (یوحنا ۱: ۱۸) اسی نکتہ کو سمجھانے کے لئے مقدسہ مریم اور منجی عالمین کی نسبت قرآن میں وارد ہُوا ہے وجعلنا و ابنھا آیۃ للعالمین یعنی اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے مریم کو اور اس کے بیٹے کو دُنیا جہان کے لئے نشانی بنایا۔ (انبیاء آیت ۹۱) یعنی خُدا نے حضرت رُوح اللہ کو دُنیا میں اس غرض سے بھیجا تاکہ آپ کے خیالات۔ جذبات اور افعال خُدا کی نشان وہی کا کام دیں۔ اور دُنیا کو ان کے ذریعہ یہ علم حاصل ہو جائے کہ خُدا کس قسم کا خُدا ہے۔ اس قرانی آیت کی تفسیر انجیل یوحنا میں درج ہے جہاں حضرت کلمتہ اللہ فرماتے ہیں "اگر تم نے مجھے جانا ہوتا تو میرے باپ کو بھی جانتے۔ اب تم باپ کو جانتے ہو اور اُسے دیکھ لیا ہے۔۔۔ جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کو دیکھا ۔۔۔ میں باپ میں ہُوں اور باپ مجھ میں ہے" (۱۴ باب)۔ دیکھئے۔ قرآن میں کس طرح "سلیس عربی زبان میں بائبل کی تفصیل موجود ہے" (شعراء آیت ۱۹۳۔ انعام ۱۵۷۔ یونس ۳۸ وغیرہ)۔

مولوی صاحب کی کتاب کو زیورِ اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن ہمیں افسوس ہے کہ یہ کتاب ہر قسم کی اخلاقی خوبیوں سے معرا ہے۔ اس میں آنخداوند کی ذاتِ قدسی صفات پر بار بار ایسے سوقیانہ حملے کئے گئے ہیں۔ جو کسی کلمہ گو مسلمان کے لئے جو اللہ پر۔ اس کے رسولوں پر اور اُس کی کتابوں پر ایمان رکھتا ہو کسی طرح جائز نہیں۔ یہ کتاب ایسی دل آزار ہے کہ قانون کی زد میں آتی ہے لیکن ہم جو مسیحی ہیں، مسلمانوں کا سا رویہ اختیار کر کے گورنمنٹ پر زور نہیں دیتے کہ وہ مقدمہ چلائے۔ ہاں اگر پنجاب میں اسلامی گورنمنٹ ہوتی تو وہ خود اس کتاب کا نوٹس لیتی سے

کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر
انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

مولوی صاحب کے لغو اور لایعنی اعتراضات آپ کے اِس قول کو سچ ثابت کرتے ہیں کہ "جاہلوں کے ہاتھوں سے یسوع مسیح نہیں بچ سکتا" اسلام اور مسیحیت صفحہ ۱۶۵)

آپ نے اِس قسم کے اعتراض کر کے عیسائیوں کی دل فگاری میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ لیکن آپ کے سے دل آزار اعتراضات کی نسبت حضرت سلیمان فرماتا ہے۔ کہ یہ ایسے ہیں "جیسا پرندہ ہوا میں اُڑتا ہے اور اُس کی رفتار کا کوئی سُراغ نہیں ملتا۔ بلکہ جس ہوا پر اُس کے پروں کا صدمہ پڑا تھا۔ اور جسے اُس کے پھڑپھڑاتے ہوئے بازو چیرتے ہوئے گزر گئے۔ اُس میں بعدہٗ اُس کے گزرنے کا نشان بھی پایا نہیں جاتا۔ یا جیسے تیر نشانہ کی طرف چھوڑا جاتا ہے اور جس ہوا کو چیرتا ہوا جاتا ہے وہ فوراً مل جاتی ہے۔ یہاں تک کہ لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ کس راستہ سے گیا" (کتاب الحکمت ۵: ۱۰-۱۲)۔

اعتراض کرنے کے جنون میں آپ قرآن بھول گئے جس میں وارد ہے:- یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہٖ ولو کرہ الکفرون۔ یعنی آپ جیسے لوگ اللہ کے نور کو مُنہ کی پھونکیں مار کر بجھانا چاہتے ہیں۔ لیکن اللہ اپنے نور کو پورا کرتا ہے۔ خواہ کافر اس بات کو ناپسند ہی کریں (سورہ صف آیت ۸)

اس قسم کی گستاخانہ تحریرات کی وجہ سے عیسائیوں نے بیزار ہو کر قادیانیوں کو مُنہ لگانا چھوڑ دیا ہے ہم معترضین کو خلوص دل سے

نصیحت کرتے ہیں کہ :۔

چوں نداری کمالِ فضلِ آں بہ ۔۔۔ کہ زبان در دہاں نگہ داری

آدمی را زباں فضیحت کرد ۔۔۔ جوزِ بے مغز را سبکساری

خدا کرے کہ معترضین اپنے لایعنی اعتراضوں اور ناپاک حملوں سے توبہ کریں سے

حیرتے دارم زدانشمندِ مجلس باز پرس

توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر میکنند؟

پی - آر - بی - ایس پریس - لاہور میں باہتمام پادری آر - گرین سیکرٹری پنجاب رلیجس بک سوسائٹی

انارکلی - لاہور پرنٹر پبلشر چھپ کر شائع ہوئی

آرچ ڈیکن برکت اللہ کی دوسری تصنیف

۱- دین فطرت اسلام یا مسیحیت - - قیمت
۲- کلمۃ اللہ کی تعلیم .. .. "
۳- مسیحیت کی عالمگیری .. .. "
۴- صحت کتب مقدسہ .. .. (زیر
۵- نور الہدیٰ حصہ اول ۶ر حصہ دوم .. .. "
۶- قانائے گلیل کا معجزہ .. .. "
۷- کیا تمام مذاہب یکساں ہیں؟ .. .. .. "
۸- ایلی ایلی لما شبقتنی .. .. "
۹- توضیح البیان فی اصول القرآن .. .. "
۱۰- اسرائیل کا نبی یا جہان کا منجی .. .. "
۱۱- مسیحیت اور سائنس ار ۱۲- مسیحیت اور اشتراکیت
۱۳- محمد عربی (زیر
۱۴- دشت کربلا یا کوہ کلوری ار ۱۵- صلیب کے علمبردار
۱۶- مقدس توما رسول .. .. قیمت ا
۱۷- صلیب کے ہراول .. .. قیمت ۲
۱۸- ابوّت الٰہی کا مفہوم ۳

پنجاب رلیجس بک سوسائٹی۔ انارکلی۔ لاہور